UNIVERSAL LIBRARY
OU_224574
UNIVERSAL LIBRARY

اللہ اکبر

حلقۂ مسموم

Checked 1975

ایک علمی قصہ

ترجمہ "پائزن بلٹ" مصنفہ سر آرتھر کانن ڈائل

از

مولوی محمد نصیر احمد صاحب عثمانی ایم اے، بی ایس سی،

معلّم طبیعات جامعہ عثمانیہ

حیدرآباد دکن

باہتمام سید محمد ہادی

مطبع جامعہ ملیہ ۱۳۴۳ھ علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۹۲۵ء

195[illegible]

دیباچہ

سر آرتھر کانن ڈائل انگریزی کے ایک مشہور و معروف افسانہ نویس ہیں۔
ن کی شہرت کا یہ عالم ہے کہ یورپ کی شاید ہی کوئی زبان ایسی ہوگی جس میں
شرلاک ہومز کے متعلق انکی کتابوں کا ترجمہ نہ ہو گیا ہو۔ حتیٰ کہ مشرقی زبانیں بھی
اس خزانہ سے خالی نہیں رہی ہیں۔ چنانچہ مصنف موصوف کی کتابوں نے
بی کا جامہ بھی پہن لیا ہے، اردو میں بھی اس سے پیشتر خونابۂ عشق، حکایاتِ شرلاک
مز، وغیرہ کے ناموں سے کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اور ان کے ہیرو شرلاک ہومز
روشناس کرا چکی ہیں۔

مصنف موصوف ابتداءً ایک ڈاکٹر تھے لیکن طبیعت میں فطرتاً فسانہ نویسی
ہو قابلیت ودیعت کی تھی اس نے مطب جاری نہ رہنے دیا۔ چنانچہ مطب چھوڑ کر
انہ نویسی اختیار کی تو اس میں وہ ید طولیٰ حاصل کیا کہ چار دانگ عالم میں شہرت
لی۔

سر آرتھر محض افسانہ نویس ہی نہیں ہیں بلکہ بہت پر نویس ہیں۔ علمی حقیقتوں
عجیب مضمون کے پیرایہ میں بیان کرنے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ قصہ
کی شہادت ہے۔

علاوہ ازیں مصنف اولاً مادہ پرست تھے لیکن اب روح پرست ہیں۔ اور ایسے

روح پرست کہ عاملوں کے سرگروہ شمار کیے جاتے ہیں چنانچہ جب مادہ پرستی سے توبہ کرکے روح پرستی اختیار کی تو "رفع حجاب" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور بعد میں "پیام اجل" نامی ایک کتاب روحانیات کے مسائل پر حوالہ قلم کی۔ انشاء اللہ بشرط فرصت یہ کتابیں ہدیہ ناظرین ہونگی۔

اس کتاب میں چار شخصوں یعنی پروفیسر چیلنجر، پروفیسر سمرلی، لارڈ جان راکسٹن اور ایڈورڈ ڈے لون کے تجربات قلمبند کیے گئے ہیں۔ اول الذکر تو مصنف کیطرح روح پرست ہیں۔ گویا ان کی زبان مصنف کی زبان ہے۔ دوسرے پروفیسر مادہ پرست ہیں اور سخت مادہ پرست، چنانچہ ایک موقعہ پر دونوں اپنا اپنا خیال ظاہر کرکے زور استدلال دکھاتے ہیں۔ تیسرے صاحب ایک نواب ہیں۔ اور چوتھے حضرت ایک صحافی ہیں۔ قصہ ان ہی صحافی حضرت کی زبان میں بیان کیا گیا ہے۔ ان ہی چاروں پر کچھ واردات اور بھی گزریں جن کو مصنف نے "عالم گم گشتہ" کے نام سے ایک دوسری کتاب میں لکھا ہے۔ چنانچہ قصہ کے شروع میں اسی طرف اشارہ ہے۔ اگر حلقۂ سموم کی سمیت کافی متعدی ثابت ہوئی تو انشاء اللہ "عالم گم گشتہ" بھی گم گشتہ نہ رہیگا۔

اس موقعہ پر مجھے مصنف موصوف کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ انہوں نے بہ کمال عنایت مجھے ان کتابوں کے ترجمے شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ فقط

کلیہ جامعہ عثمانیہ
[illegible]

محمد نصیر احمد عثمانی
معلم طبعیات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حلقۂ مسموم

پہلا باب

اندراس خطوط

اب، جبکہ میرے دماغ میں وہ عظیم الشان واقعات ابھی تازہ ہیں، میرے لئے ضروری ہے کہ میں انکو من وعن سپردِ قلم کردوں ورنہ اندیشہ ہے کہ زمانہ ان کو کہیں محو نہ کردے۔ ن جیسے جیسے میں لکھتا جاتا ہوں مجھے یہ امر بار بار حیرت میں ڈالتا رہتا ہے کہ یہ تحیر خیز یہ ہم چاروں یعنی پروفیسر چے لنجر، پروفیسر سمرلی، لارڈ جان راکس ٹن اور راقم الحروف دنیا کی چھوٹی سی جماعت پر کیوں گزرا۔

چند سال پیشتر جب میں نے ڈیلی گزٹ میں اپنے جنوبی امریکہ والے تاریخ ساز سفر کا حال درج کیا تھا تو میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ میری قسمت میں اس سے بھی زیادہ عجیب تر ذاتی تجربے کا حال مقدر ہے۔ یہ تجربہ تو ایسا ہے کہ تاریخ انسانی میں اپنی آپ مثال ہے، یہانتک کہ دیگر تاریخی واقعات پر اس کو وہی فوقیت

حاصل ہے جو کسی قلۂ کوہ کو آس پاس کی پہاڑیوں پر ہوتی ہے۔ نفسِ واقعہ ہی بہت تعجب انگیز ہے اسپر طرہ یہ کہ اس انوکھے واقعہ کے وقت ہم چار دوں کچھ اسطرح یکجا ہوئے کہ شاید یوں ہی مقدر تھا۔ اب میں ان امور کو مختصراً نہایت صاف طور سے بیان کرونگا جنکی انتہا اس واقعہ پر ہوئی۔ اگرچہ مجھے احساس ہے کہ اس کے متعلق جتنی تفصیلات بھی پیش کیجائینگی وہ ناظرین کیلئے لطف کا باعث ضرور ہونگی کیونکہ پبلک کی دلچسپی نہ کم ہوئی ہے اور نہ ہو گی

آغاز داستاں یوں ہے کہ جمعہ کا دن تھا اور اگست کی ستائیسویں تاریخ تھی (تاریخ عالم میں یہ تاریخ ہمیشہ یادگار رہیگی۔) کہ تین دن کی رخصت حاصل کرنے کیلئے میں اپنے جریدہ کے دفتر میں گیا جسمیں اخباری صیغہ کے صدر اعلیٰ تا مسٹر میک آرڈل تھے۔ میری درخواست کو سنکر اس نیک مرد نے سر ہلایا اپنے سُرخ روئی کی طرح گرتے بالوں کی جھالر کو کھجلایا اور بالآخر اپنی نارضامندی کو الفاظ میں یوں ادا کیا:۔

"مسٹر مے لون میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ آج کل ہمیں آپ کی بہت ضرورت ہے میرے خیال میں ایک قصہ ایسا ہے کہ آپ ہی اس کا حق ادا کر سکتے ہیں"

"مجھے افسوس ہے" میں نے اپنی مایوسی کو چھپاتے ہوئے کہا "بیشک اگر میری ضرورت شدید ہے تو قصہ ختم ہے ورنہ میرا معاہدہ اہم اور نازک ہے۔ اگر میں سبکدوش کیا جاسکوں ——"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے سبکدوش کروں"

مجھے بہت برا معلوم ہوا۔ لیکن کیا کرتا۔ "قہر درویش بجانِ درویش"۔ بہر حال قصور میرا ہی تھا۔ مجھ کو اب تک یہ معلوم ہو جانا چاہئے تھا کہ کسی صحافی کو اپنے منصوبے

الگ باندھنے کا کوئی حق نہیں۔ بالآخر جتنا بھی مجھ سے اسوقت بن پڑا میں نے فرحت آمیز لہجہ میں کہا:۔

"آپ مجھسے کیا کام لینا چاہتے ہیں؟"

"یہی کہ راتھر فیلڈ میں جا کے ذرا اُن ذات شریف سے ملاقات کیجئے۔"

"آپ کا مطلب پروفیسر چے لنجر سے تو نہیں ہے؟"

"ہاں! میری مراد ان ہی سے ہے۔ گزشتہ ہفتہ انھوں نے بڑی سڑک پر ایک میل دور جا کر اخبار 'کوریئر' کے نوجوان 'الک سمپسن' کو کالر پکڑ کے خوب گھسیٹا تھا۔ یہ خبر پولیس کی رپورٹ میں تو غالباً آپ نے پڑھی ہو گی ہمارے یہاں کے آدمی تو ان سے ملنے سے یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ حیوانخانے کے کسی درندے سے ان کی مٹھ بھیڑ ہو جائے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آپ جیسا پرانا دوست ضرور ایسا کر سکتا ہے۔"

اب میرے اوپر سے گویا ایک بوجھ اتر گیا۔ چنانچہ میں نے کہا:۔

"ارے۔ پھر تو کوئی بات ہی نہیں رہی۔" حسن اتفاق سے راتھر فیلڈ کے پروفیسر چے لنجر سے ملنے ہی کیلئے مجھے رخصت کی ضرورت تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ تین برس ہوئے ہم نے جو مہم سر کی تھی اسکا جشن ہونیوالا ہے۔ اور انھوں نے اپنے مکان پر ہماری پوری جماعت کو مدعو کیا ہے۔ تا کہ ملاقات بھی ہو سکے اور جشن بھی منا سکیں۔"

"بہت خوب"! میک آرڈل نے چلا کر ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ عینک سے ان کی آنکھوں کی بشاشت ٹپکی پڑتی تھی۔ "تو آپ ضرور ان سے انکی

رائیں دریافت کرسکینگے۔ کوئی اور شخص ہوتا تو میں سمجھتا کہ محض لغویت ہے لیکن یہ شخص ایک مرتبہ کھرا ثابت ہو چکا ہے اب کسے خبر ہے کہ دوبارہ کھرے ثابت نہوں گے۔"

"اُن سے دریافت کیا کرنا ہے؟ وہ کرتے کیا رہے ہیں؟"

"ایں! کیا آپ نے آج کے 'ٹائمز' میں انکا خط بعنوان "ممکناتِ علمیہ" نہیں دیکھا؟"

"نہیں"

میک آرڈل جھکے اور فرش پر سے ایک پرچہ ڈھونڈھ کے نکالا۔ ایک کالم پر انگلی سے اشارہ کرکے کہنے لگے:۔ "اِسے زور سے پڑھیئے۔ میں دوبارہ سننا چاہتا ہوں۔ کیونکہ مجھے ابتک یقین نہیں کہ میں ان کا مطلب سمجھ گیا ہوں"

یہ وہ خط ہے جو میں نے گزٹ کے ایڈیٹر کو پڑھکر سنایا:۔

"ممکناتِ علمیہ"

"جناب عالی ——— ثوابت و سیار کے طیفون[۱] کے فرآن[۲] ہوفری خطوط کے اندراس سے متعلق جیمس ولسن میک فیل صاحب کا جو ادعا آمیز او

---

[۱] سورج کی روشنی جب شیشے کے منشور میں سے گزاری جاتی ہے تو وہ مختلف رنگوں میں منقسم ہو کر قوس و قزح کے رنگین فیتوں کی ایک پٹی کی شکل میں نمودار ہوتی ہے اسی رنگین فیتے والی پٹی کو سورج کا طیف کہتے ہیں۔ [۲] سورج کے طیف کو اگر غور سے دیکھیں تو سارے طیف میں سیاہ سیاہ خطوط پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کو فرانن ہوفر نامی ایک سائنسدان نے دریافت کیا تھا۔ اسی وجہ سے اسکی طرف منسوب ہیں۔

اور بالکل بے بنیاد خط حال ہی میں آپ کے کالموں میں چھپا ہے وہ میرے لیئے صرف تفریح طبع کا باعث ہُوا، انھوں نے تو اس مبحث کو بے حقیقت قرار دیا ہے، ایک برتر عقل کو اس میں ایک زبردست امکان نظر آتا ہے اسقدر زبردست کہ اس سیارہ پر رہنے والے ہر مرد و زن و بچہ کی عافیت اس سے وابستہ ہے، جو لوگ کسی روزانہ اخبار کے کالموں سے اپنے خیالات اور تصورات قایم کرتے ہیں، ان کیلئے اگر میں علمی زبان استعمال کروں تو وہ میرے مطلب کو ہرگز نہ سمجھ سکینگے۔ اسلیئے میں کوشش کرونگا کہ ان ہی کی سطح پر اتر آؤں اور واقعہ کی حقیقت سے آگاہ کرنے کیلئے آپ کی ناظرین کی عقلوں کا لحاظ کرتے ہوئے ایک مانوس تمثیل پیش کردوں :"

" ارے میاں وہ تو عجائب روزگار سے ہے " میک آرڈل نے سر ہلا کر کہا "کبھی تو وہ قمری بچہ کے پروں کو اکھاڑ کر پھینک دیتے ہیں اور کبھی عطائیوں کے جلسہ میں وہ ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں۔ ذرا بھی تعجب نہیں کہ لندن ان کیلئے بہت گرم ہوگیا ہے۔ واقعی مسٹر مے لون یہ بہت قابلِ افسوس ہے۔ کیونکہ وہ بڑا روشن دماغ ہے خیر اس تمثیل کو تو سناؤ۔"

چنانچہ میں نے پڑھنا شروع کیا :۔

ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ بحر اطلانتک میں ایک سست رو پر ایک دوسری سے ملے ہوئے کاگون کا ایک چھوٹا سا بنڈل سفر کرنے کیلئے چھوڑ دیا گیا ہے یہ کاگ دن بدن آہستہ آہستہ ہٹتے جائینگے اور انکا ماحول وہی رہیگا۔ اگر کاگ صاحبِ ادراک ہوتے تو ہم یہ تصور کرسکتے کہ وہ کاگ اس ماحول

کو یقینی سمجھتے ہیں لیکن چونکہ ہمارا علم بالاتر ہے اسلئے ہم سمجھتے ہیں کہ بہت سے امور ایسے واقع ہو سکتے ہیں جو کاگوں کو متحیر کر دینگے، ممکن ہے کہ بہتے بہتے کسی جہاز سے ٹکرا جائیں یا کسی سوتی ہوئی فیل ماہی پر جا پڑیں یا سوار میں پھنس جائیں۔ بہرصورت ان کے اس سفر کا انجام غالباً یہی ہوگا۔ کہ لبراڈر کی چٹانی ساحل پر جا پڑینگے لیکن اس انجام کا علم انہیں کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تو دن بدن ایسے سمندر میں بہتے چلے جاتے ہیں جسکو وہ بے پایاں اور متجانس سمجھتے ہیں،

آپ کے ناظرین غالباً سمجھ گئے ہوں گے۔ کہ اس قصے میں اطلانتک سے مراد عظیم الشان محیط اثیر ہے جس میں ہم حرکت کر رہے ہیں اور کاگوں کے اس گچھے سے وہ چھوٹا اور گوشے میں پڑا سیاری نظام مراد ہے جس میں ہم بستے ہیں یعنی ایک تیسرے درجے کا سورج ہے کہ اس کے توابع بھی بہت بے حقیقت ہیں۔ ہماری کیفیت یہ ہے کہ ہم ایک نامعلوم انجام کیطرف ایک ہی طرح کے روزانہ حالات میں بہے چلے جاتے ہیں۔ یہ انجام ممکن ہے کہ کوئی بہت ہی پلشت طوفان کی صورت میں ہو جو مکان کی سرحد پر ہم کو گھیرے جسکی وجہ سے ہم کسی ایتری نیاگرا[1] پر جا پڑیں۔ یا کسی ناقابل خیال لبراڈر سے ٹکرا جائیں۔ مجھے آپ کے نامہ نگار مسٹر جیمس ولسن میک فیل کی سطحی اور جاہلانہ شادمانی کیلئے ذرا بھی گنجائش نظر نہیں آتی۔ بلکہ اس کے

---

[1] نیاگرا امریکہ میں ایک نہایت زبردست آبشار ہے ۱۲

خلاف بہت سی دلائل ایسے ہیں جو ہم کو مجبور کرتی ہیں کہ ہم نہایت غور اور توجہ کیساتھ ہر اس تغیر کے اظہار کو دیکھیں جو کائنات میں ہم کو چاروں طرف نظر آئیں کیونکہ بالآخر ہماری قسمت اسی پر منحصر ہے"۔ نا

اسپر مسٹر میک آرڈل نے کہا "اری میاں یہ تو وزیر خوب نبتو ۔ دیکھئے تو سہی کیا اندازہ پایا ہی، اچھا اب دیکھیں کہ انہیں پریشان کون سی چیز کررہی ہی"

میری نزدیک طیف کے فراان ہوفری خطوط کا اندراس یعنی انکا محو ہونا اور اپنے مقام سی ہٹنا اس بات کی دلیل ہے ۔ کہ کائنات میں کوئی نرالی اور گہری تبدیلی ہونے والی ہی ۔ کسی سیاری جو روشنی آتی ہے، وہ سورج کی منعکس روشنی ہوتی ہی، کسی ثابت سی جو روشنی آتی ہے وہ اسکی ذاتی ہوتی ہی لیکن صورتِ موجودہ میں ثوابت و سیار ہر دو کے طیفوں میں ایک ہی تبدیلی ہوئی ہی، تو کیا اس کے معنی یہ ہیں، کہ ان ثوابت و سیار میں کوئی تبدیلی ہوئی ہی؟ میرے نزدیک یہ خیال باطل محض ہی، وہ ایسی کونسی تبدیلی ہی جو ان سب پر حاوی ہوگئی؟ تو کیا پھر ہماری کرہ ہوا میں کوئی تبدیلی ہوئی ہی؟ یہ ممکن ہی لیکن اغلب ہی کہ ایسا نہیں ہی کیونکہ ھم اپنے گرد کسی قسم کی کوئی علامات نہیں دیکھتے اور نہ کیمیاوی تحلیل سی کچھ پتہ چلتا ۔ تو پھر اب تیسرا امکان کیا ہی؟ یہی کہ موصل واسطے میں کوئی تبدیلی ہو یعنی اس بے انتہا لطیف اثیر میں جو ایک ستارے سے دوسری ستاری تک پھیلا ہوا ہی اور تمام کائنات میں جاری و ساری ہی ۔ ہم اسی کے سمندر میں ایک سست رَو پر بہی چلے جاتی ہیں، کیا یہ ممکن نہیں ہی کہ وہ رَو ھم کو اثیر کے ایسی طبقوں

میں لیجا ڈالے جو بالکل انوکھے ہوں اور جن کے خواص سے ہم ابھی تک واقف نہ ہوئے ہوں؟ کہیں نہ کہیں تو کچھ تبدیلی ضرور ہے، طیف کا اسطرح بدل جانا اسکی دلیل ہے، ممکن ہے کہ یہ تبدیلی منجر بخیر ہو، ممکن ہے کہ شر ہی شر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ خیر ہو اور نہ شر۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔ سطحی مشاہدین شاید اسی امر کو ناقابلِ لحاظ گردانیں، لیکن جو میری طرح بصیرت رکھتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ کائنات میں امکانات کی کوئی حد نہیں اسلئے سب سے زیادہ عقلمند وہی ہے جو ہر غیر متوقع امر کیلئے تیار رہے، ایک بدیہی مثال لیجئے، آج ہی آپ کے کالموں میں ایک خبر چھپی ہے کہ سماترا کی دیسی قوموں میں ایک عجیب پراسرار اور ہمہ گیر وبا پھیلی ہے۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ اس وبا کو کسی کائناتی تبدیلی سے کوئی علاقہ نہیں، جسکا شکار وہاں کے باشندے اہالیان یورپ سے جلد تر ہو گئے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس خیال کا پورا پورا حق ادا کیجئے، موجودہ صورت میں اسکا دعویٰ کرنا ویسا ہی بیہودہ ہے جیسا اس سے انکار، لیکن وہ شخص واقعی بہت احمق اور کودن ہوگا۔ جو یہ نہ سمجھ سکے کہ امکاناتِ علمیہ کی حدود سے یہ امر خارج نہیں ہے، فقط "

"آپ کا صادق

"جارج ایڈورڈ چیلنجر"

"از کنجِ عزلت" راتھرفیلڈ"

ختم ہونے پر میک آرڈل نے اپنے شیشے کے سگریٹ گیر میں ایک سگریٹ لگایا۔

اور ذرا سوچتی صورت بنا کے کہنے لگا " یہ تو ایک عمدہ خوش آفریں خط ہے!" مسٹر مے لون آپ کی کیا رائے ہے؟" مجھے مضمون زیر بحث سے اپنی کامل اور شرمندہ کن ناواقفیت کا اعتراف کرنا پڑا، چنانچہ میں نہیں جانتا تھا کہ فران ہوفری خطوط کیا چیز ہیں - میک آرڈل اپنے دفتر کے ایک سائنسدان کی مدد سے مضمون کا مطالعہ کر رہے تھے، چنانچہ اپنی میز سے انہوں نے کئی رنگ والی طیفی پٹیاں اٹھائیں، جو کسی نو قایم اور پر جوش کرکٹ کلب کی ٹوپیوں کے فیتوں سے مشابہ معلوم ہوتی تھیں - انہوں نے مجھے بتایا کہ چند سیاہ خطوط ایسے ہیں جو ان چمکدار رنگوں کے یہاں سے وہاں تک پھیلے ہوئے ہیں، یعنی ایک طرف سرخ سے شروع ہو کر نارنجی، زرد، سبز، کبودی اور نیلگوں پر ہوتے ہوئے دوسری طرف بنفشئی تک چلی گئی ہیں - کہنے لگے " ان ہی تاریک لکیروں کو فران ہوفری خطوط کہتے ہیں، رنگ کیا ہیں خود روشنی ہی ہے! ہر روشنی کو اگر تم منشور سے علیحدہ کر سکو، تو ایسے ہی رنگ دیکھو گے ان رنگوں میں ہمیں کچھ نہیں معلوم ہوتا، در اصل قابل توجہ تو یہ خطوط ہیں، کیونکہ نور پیدا کرنیوالے جسم کے تغیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی بدل جاتے ہیں، اس پچھلے ہفتہ میں روشن تر ہونے کی بجائے یہی خطوط دھندلے پڑ گئے ہیں، اور ان کی علت کی دریافت پر تمام علماء فلکیات میں تنازعہ برپا ہے، ہمارے کل کے پرچہ کیلئے ان مندرس خطوط کا ایک عکس ہے، پبلک نے ابھی تک اس معاملہ میں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ٹائمز میں سے لنجر کا یہ خط سب کو بیدار کر دیگا۔"

" اور یہ سماترا کے متعلق کیا ہے؟"

"اونہہ - طیف کے ایک مندرس خط سے سماترا کے ایک بیمار زندگی پر استدلال کرنا زیادتی ہوگی۔ لیکن وہ حضرت ہم پر یہ پہلے بھی ثابت کر چکے ہیں کہ اپنے موضوع کلام سے ان کو پوری واقفیت ہوتی ہے، اس میں تو شک نہیں کہ وہاں کوئی انوکھی بیماری پیدا ہوئی ہے اور لیجئے آج ہی سنگاپور سے ایک بحری تار آیا ہے کہ آبنائے سنڈا میں روشنی گھر بیکار ہو گئے ہیں، جسکی وجہ سے دو جہاز خشکی پر چڑھ گئے۔ بہرحال چیلنجر سے ملاقات کرنا بہتر ہی ہے، اگر آپ کو کوئی قطعی بات معلوم ہو تو دوشنبہ تک ایک کالم تیار کر دیجئے،

میں ایڈیٹر کے کمرے سے نکل ہی رہا تھا، اور اس نئی مہم پر غور کر رہا تھا کہ اتنے میں نیچے انتظار خانے میں کسی نے میرا نام لیکر پکارا دیکھا تو ایک تار بچہ تھا، جس کے ہاتھ میں ایک تار تھا، جو میرے مسکن اسٹریتھم سے یہاں بھیجا گیا تھا، پیام اسی شخص کے پاس سے تھا جسکا ذکر عرصہ سے کر رہے تھے، اور یہ مضمون تھا:-

"مے لون، ١٧ ہل اسٹریٹ، اسٹریتھم، آکسیجن لاؤ ـــــ چیلنجر"

"آکسیجن لاؤ"، ہاں مجھے یاد آیا کہ پروفیسر موصوف میں کچھ ایسی بلا کی ظرافت تھی کہ بھونڈی سے بھونڈا مذاق بھی ان سے بعید نہ تھا کیا یہ انہی مذاقوں میں سے ایک مذاق تو نہیں ہے کہ جب وہ نہایت زور سے قہقہہ مار کر ہنسنے لگتے تھے - آنکھیں ان کی چڑھ جاتی تھیں، منہ غار ایسا کھل جاتا تھا اور ڈاڑھی پھر اہتزاز کرنے لگتی تھی۔ غرضکہ ایک عجیب ہیولا بنجاتے تھے اور ذرا بھی اپنے وقار و متانت کا لحاظ نہ کرتے تھے میں نے ہر طرح ان الفاظ پر غور کیا لیکن کوئی بات بھی ظرافت آمیز نہ پائی تو پھر بیشک انکا یہ قطعی حکم تھا اگرچہ نہایت ہی عجیب تھا۔ لیکن دنیا میں وہی

پیش ہو جاتے ہیں۔ آجکل میدان میں ذرا خاموشی ہے۔ اسلئے حضرت جی لنجر چاہتے ہیں، کہ لوگ ان کا ذکر خیر کرنے لگیں، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ اِن لغویات کا ان کو خود بھی یقین ہے کہ اثیر میں کوئی تبدیلی واقعی ہوئی ہے اور اس سے ہی نوعِ انسان کو خطرہ کا اندیشہ ہے؟ آپ نے کبھی ایسی بے سروپا اور دور از کار باتیں سنی تھیں؟

ان کا اسوقت بیٹھا ہونا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بڈھا سفید کوا بیٹھا کائیں کائیں کر رہا ہے (۱)

جب میں نے سمرلی کی یہ باتیں سنیں تو غصہ کی ایک لہر بدن میں دوڑ گئی یہ کسقدر شرمناک تھا، کہ جو شخص ہماری شہرت کا باعث ہوا ہو اور جس نے ہمکو ایسے خوشگوار تجربات سے روشناس کرایا ہو، جو کسی کے حصے میں نہ آئے ہوں اسی کا تذکرہ ایسے الفاظ میں کیا جائے۔ میں نے کوئی سخت جواب دینے کیلئے لب ہلائے ہی تھے، کہ لارڈ جان مجھسے پہلے بول اٹھے۔ اور ذرا سخت لہجہ میں کہنے لگے،

"اس سے پہلے بھی بڈھے چے لنجر سے آپ کی جھڑپ ہو چکی ہے اور آپ دس ثانیوں کے اندر اندر ہار مان گئے تھے۔ جناب پروفیسر سمرلی صاحب! مجھے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ جیسوں کے قابو کے نہیں ہیں۔ بس آپ کیلئے بہترین صورت یہی ہے کہ آپ خود الگ چلیں اور ان سے تعرض نہ کریں۔"

"علاوہ ازیں" میں نے کہا "ہم سے ہر ایک کے وہ اچھے دوست ثابت ہوئے ہیں، انمیں چاہے کتنے ہی عیوب ہوں۔ لیکن وہ بہت صاف دل

ہیں اور مجھے یقین نہیں کہ پیٹھ پیچھے وہ دوستوں کی برائی کرتے ہوں۔"

خوب کہا، شاباش" لارڈ جان راکس ٹن نے کہا۔ اس کے بعد تبسم کے ساتھ انہوں نے پروفیسر سمرلی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے، "اچھا، جانے دیجئے، پروفیسر صاحب ہم اسوقت کوئی جھگڑا کرنا نہیں چاہتے ہم سب تو بہت ساتھ ساتھ رہے ہیں لیکن جب کہیں چیلنجر موجود ہوں۔ تو ذرا سنبھل کے رہیئے گا۔ آپ کو معلوم رہے کہ ان بزرگوار سے ان صاحبزادے کو اور مجھکو ایک گونہ عقیدت ہے۔"

لیکن سمرلی اسوقت صلح کیلئے تیار ہی نہ تھے۔ چہرے سے آثار ناپسندیدگی ظاہر ہونے لگے۔ اور غصہ کے مارے اپنے پائپ سے خوب دھوئیں اڑانے لگے۔ بالآخر یوں گویا ہوئے۔

"جناب لارڈ جان صاحب! کسی علمی مسئلہ میں آپ کی رائے میری نزدیک وہی قیمت رکھتی ہے جو کسی بندوق کے متعلق میری رائے آپ کی نزدیک ہوگی۔ یہ میری رائے ہے اور اسپر مجھے پورا اختیار حاصل ہے، چونکہ ایک مرتبہ اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے تو کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بلا چون وچرا میں ہر اس بات پر ایمان لے آؤں، جو یہ بزرگ پیش کریں۔ تو کیا سائنس میں بھی کسی پاپا کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے کہ جو کنیسہ میں بیٹھ کے بیخطا فتوے صادر کیا کرے، اور جن کو لوگ بے عذر مان لیا کریں؟ اجی حضرت! مجھ میں بھی ایک دماغ رکھتا ہوں، اور اگر میں اس کو استعمال نہ کروں۔ تو مجھ سے بڑھکر کون احمق اور غلام صفت ہوگا۔ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے کہ

اثر اور طیف میں فیران ہو فری خطوط کے متعلق آپ ان جیسی بے سر و پا باتوں کا یقین کریں تو چشم ما روشن دل ما شاد، لیکن جو شخص آپ سے مُسن تر اور فہیم تر ہو اسے تو اپنی اس حماقت میں شریک نہ کیجئے، کیا آپ یہ نہیں دیکھتے، کہ اگر اثر اسی درجہ تک متاثر ہوتا جہاں تک کہ وہ بتلاتے ہیں۔ اور اگر صحت انسانی کیلئے وہ ایسا ہی مضرت رساں ہوتا تو کیا خود ہم پر اس کا اثر ظاہر نہ ہوتا؟"

اسپر اپنی دلیل کی پختگی سے نازاں ہو کر وہ خوب قہقہہ مار کر ہنسے "جی ہاں ! حضرت۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم اپنی طبعی حالت سے بہت دور جا پڑتے اور بجائے اسکے کہ ریل میں بیٹھ کر علمی مسئلوں پر گفتگو کرتے رہتے، ہم پر وہ سمیت اپنے آثار و علامات ظاہر کرتی ہوتی۔ اب بتلایئے کہ عالمگیر سمی تموّج کی کہیں بھی کوئی علامت ہے؟ حضرت، جواب دیجئے، بولئے بولئے۔ اب بغلیں جھانکنے کی کوئی ضرورت نہیں، اب آپ کو جواب دینا ہی پڑیگا"

مجھے اب غصہ پر غصہ آنے لگا۔ ان کے اس انداز گفتگو میں کچھ نہ کچھ اشتعال انگیز اور جراحت آمیز بات ضرور تھی۔ چنانچہ میں نے کہا:۔

"میرے خیال میں اگر آپ کو واقعات سے زیادہ واقفیت ہوتی، تو آپ کی رائے میں اتنی قطعیت نہ ہوتی"

"سمر لی نے چبوک منہ سے نکال کے میری طرف گھورنا شروع کیا

"جناب اس بے موقع اور گستاخانہ کلام سے آپ کا کیا مطلب ہے"

"مطلب یہ ہے کہ جب میں دفتر سے آ رہا تھا۔ تو ایڈیٹر نے مجھ سے کہا تھا کہ ایک تار وصول ہؤا ہے، جس سے معلوم ہؤا، کہ سماترا کے باشندوں

ایک عام وبا پھیل گئی ہے، اور یہ بھی کہا تھا کہ آبنائے سنڈا میں روشنیاں گل ہوگئی ہیں"

سمرلی نے خوب بھلا کر کہا " خوب نوبت باینجا رسید۔ اجی حضرت! انسانی حماقت کی کوئی حد بھی تو ہونا چاہئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اتنا نہیں جانتے کہ اثیر ایک عالمگیر شے ہے جو دنیا کے اس پار بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ اس پار۔ ہاں اگر سچے نیچر کا بے اصل و بنیاد مفروضہ مان لیں تو دوسری بات ہے تو کیا آپ ایک لمحہ کیلئے بھی یہ یقین کرتے ہیں کہ ایک انگریزی اثیر ہے اور ایک سماتروی؟ شاید آپ اس خیال میں ہوں کہ 'کنٹ' کا اثیر 'سرے' کے اس اثیر سے اعلیٰ ہے جس سے ہماری ریل گزر رہی ہے، واقعی حامیوں کی ضعیف الاعتقادی اور جہالت کی کوئی انتہا نہیں، کیا یہ خیال میں آسکتا ہے کہ سماترا کا اثیر اسقدر مسموم ہو کہ ٹھیک اسی وقت جبکہ یہاں کا اثیر ہم پر کوئی مقابل محسوس اثر نہ پیدا کر رہا ہو، وہاں بیہوشی پیدا کرتا ہو، مجھ سے پوچھئے تو میں کہونگا کہ عمر بھر میں اس سے پیشتر نہ تو میں جسمانی حیثیت سے اسقدر توانا تر تھا اور نہ دماغی حیثیت سے متوازن تر"۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ میں سائنس داں ہونے کا مدعی نہیں" میں نے کہا اگرچہ میں نے سنا ہے کہ ایک نسل کی سائنس دوسری نسل میں مغالطہ قرار پاتی ہے۔ لیکن اس کے سمجھنے کیلئے کچھ زیادہ عقل کی ضرورت نہیں کہ چونکہ ہم اثیر کی بابت بہت کم جانتے ہیں، اسلئے ہو سکتا ہے کہ دنیا کے مختلف حصوں میں مقامی حالات سے اثیر متاثر ہوا ہو اور ہو سکتا ہے کہ جو اثر وہاں پیدا ہو گیا ہے، وہ بعد میں ہم پر بھی آئے"۔

" ہو سکتا ہے" کی ایک ہی کہی۔ اس طرح سے تو ہر چیز ثابت کر سکتی

ہیں" سمرلی نے غصہ سے جھنجھلا کر کہا "یوں ہی ہی تو کتے اڑ سکتے ہیں"۔

"جی ہاں، جناب - کتے اڑ سکتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہی کہ نہیں اڑتے آپ سے حجت کرنے سے فائدہ - حضرت چھے لنجر نے آپ کے دماغ میں بھی اپنی لغویات بھر دی ہیں - اور اب آپ دونوں استدلال کرنے کے قابل ہی نہ رہے آپ سے بحث کرنا ایسا ہے جیسا ان بچوں کے سامنے بین بجانا"۔

"پروفیسر سمرلی صاحب! میں آپ سے یہ ضرور کہونگا کہ جب آپ سے آخری تبادلہ ملاقات ہوئی تھی، اسوقت سے اب تک آپنے آدابِ مجلس میں بالکل ترقی نہیں کی"۔ لارڈ جان نے ذرا خشونت سے کہا۔

"آپ نواب لوگ ہیں۔ آپ حق بات سننے کے کب عادی ہیں" سمرلی نے زہر خند ہو کر جواب دیا "آپ لوگوں کو تو بڑا ہی شاق گزرتا ہوگا کیوں جناب جب کوئی آپ کے سامنے یہ ثابت کر دے کہ باوجود اپنے خطاب کے آپ لوگ بالکل جاہل ہوتے ہیں"۔

اسپر لارڈ جان نے نہایت متانت و سنجیدگی سے کہا "جناب میں قسمیہ کہتا ہوں کہ آپ اگر اتنے مُسن نہ ہوتے تو آپ کی ہمت نہ پڑتی کہ اس گستاخانہ انداز میں مجھ سے گفتگو کریں"۔

سمرلی کھڑکی سے جھانکنے لگے اور ان کی گوسفندی داڑھی ہوا سے ہلنے لگی "میں نوجوان ہوں یا مسن، میں آپ کو بتلا دینا چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی میں اب تک کوئی ایسا وقت نہیں آیا ہے کہ مجھے کسی عامی اکڑ باز خاں سے جی ہاں، کسی عامی اکڑ باز سے بات کرنے میں تامل ہوا ہو، چاہے اس کو

اتنے خطابات ہی کیوں نہ ملے ہوں جو غلام ایجاد کر سکتے ہوں، اور احمق قبول کر سکتے ہوں۔

ایک لمحہ کیلئے تو لارڈ جان کی آنکھیں سرخ ہوگئیں، لیکن پھر انہوں نے زبردست کوشش کر کے اپنے غصہ کو روکا اور پھر ہاتھ لپیٹ کے اپنی نشست پر دراز ہو گئے، چہرہ پر تبسم زہرخند نمایاں تھا، میرے لئے تو یہ سب ہولناک اور افسوسناک تھا، میرے اوپر ایک لہر جیسی دوڑ گئی کہ پھر وہ پرانا زمانہ یاد آگیا، کہ کیسی عمدہ محبت تھی، کیسے خوشگوار قسمت آزمائی کے دن تھے جن میں ہم سب نے بلائیں انگیز کی تھیں اور ساتھ مل کر کام کیا تھا، اور پھر کامیابی حاصل کی تھی، اسکا نتیجہ یہ کہ تو تو میں میں تک نوبت آگئی۔ یکایک میں سسکیاں بھرنے لگا۔ زور زور سے منہ بھر کے سسکیاں آنے لگیں۔ کہ روکے نہ رکتی تھیں۔ اب میرے ہمراہیوں نے مجھ پر تعجب کی نظر ڈالی۔ میں نے اپنا منہ ہاتھوں سے ڈھک لیا۔

"کچھ نہیں، سب ٹھیک ہے" میں نے کہا "بس یہی بس یہی کہ کیسے افسوس کی بات ہے"

"ارے میاں، تم بیمار ہو، یہی تو بات ہے" لارڈ جان نے کہا میں شروع ہی سے دیکھ رہا ہوں، کہ آپ میں کچھ انوکھا پن ہے"

"آپ نے ان تین برسوں میں اپنی عادتوں کی اصلاح نہیں کی" سمرلی نے سر ہلا کر کہا "جب ہم ملے تھے اسوقت مجھے بھی آپ کے برتاؤ سے کچھ وحشت معلوم ہوئی تھی۔ لارڈ جان صاحب! آپ اپنی ہمدردی

کو ضائع نہ کیجئے۔ یہ آنسو محض شراب کے ہیں، انہوں نے خوب پی ہے۔ ہاں لارڈ جان صاحب! میں نے ابھی آپ کو اکڑ باز کہا تھا۔ شاید یہ ضرورت سے زیادہ درشت تھا لیکن مجھے یاد آیا، کہ ایک زمانہ میں مجھ میں ایک خاص کمال تھا، اگرچہ ادنیٰ درجہ کا اور صرف تفنن کے طور پر۔ آپ تو مجھے ایک خشک سائنسداں سمجھتے ہوں گے تو کیا آپ کو یقین آئیگا کہ ایک زمانے میں متعدد دایہ خانوں میں مجھے مرغیوں کی بولیاں بولنے میں کافی شہرت حاصل تھی۔ کہئے تو وقت گزارنے میں آپ کی مدد کروں، مرغے کی بولی سننے میں کچھ آپ کو دلچسپی ہے؟"

"نہیں جناب" لارڈ جان نے کہا، جن کا غصہ ابھی تک باقی تھا "مجھے کچھ دلچسپی نہیں ہے"

"انڈا دینے کے بعد جسطرح مرغی بولتی ہے اسکی نقل میں خوب کرتا تھا، کیا کہئے تو شروع کروں۔"

"نہیں جناب۔ ہرگز نہیں"

لیکن باوجود اس صریح ممانعت کے پروفیسر سمرلی نے اپنا چوک کھدیا کچھ باقی سفریوں کا کہ وہ پرندوں اور جانوروں کی بولیاں بول بول کر ست ٹالنے کی کوشش کرنے لگے، بعض بولیاں تو ایسی مضحک تھیں بجائے آنسو بہانے کے میں خوب زور سے قہقہے مارنے لگا اور ظاہر ہے ان متین پروفیسر کے سامنے بیٹھکر جب میں نے ان کو کبھی پلے کیطرح ں ٹلیوں کرتے اور کبھی پرندچہ کی طرح چوں چوں کرتے سنا تو میری

قہقہے بالکل مجنونانہ ہو گئے ہونگے، ایک مرتبہ لارڈ جان نے اپنا اخبار میری طرف بڑھایا تو اس کے ایک کونے پر میں نے پنسل سے یہ لکھا دیکھا "بے چارہ غریب کیسا پاگل ہو گیا" واقعی وہ حرکت تھی ہی ایسی۔ لیکن ان کے اس کمال کا میں قائل ضرور ہو گیا۔

جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا، تو لارڈ جان میری طرف جھکے اور ایک ہندوستانی راجہ اور بھینس کا قصہ سنانے لگے۔ جسمیں مجھے نہ سر معلوم ہوتا تھا نہ پیر۔ پروفیسر سمرلی نے اب کینیری کیطرح چہچہانا شروع کر دیا تھا۔ اور لارڈ جان اپنے قصے کو عروج تک پہنچا چکے تھے، کہ ریل جاروس بروک پر رکی۔ جو راتھر فیلڈ کیلئے اسٹیشن بنایا گیا تھا۔

وہاں چے نجر صاحب ہماری استقبال کیلئے موجود تھے۔ انکا چہرہ بہت شاندار تھا، جس متین انداز اور دبدبہ کیساتھ وہ کھڑے تھے اس کے مقابلے میں دنیا بھر کے ناچتے موروں کا انداز گرد تھا۔ اور اپنے گرد ہر شخص کو جس تبسمانہ انداز سے دیکھتے تھے، اس سے معلوم ہوتا تھا، کہ گویا آسمان سے لوگوں کی تسلی کیلئے اتر آئے ہیں، اگر کسی بات میں کوئی تبدیلی ان میں پیدا ہوئی تھی، تو وہ یہ کہ ان کی ہر بات اب نمایاں تر ہو گئی تھی، وہ انکا بڑا سر اور بلند پیشانی پہلے سے اور بھی بڑے معلوم ہوتے تھے، ان کی سیاہ ریش عجب انداز سے ملتی تھی، اور ان کی صاف اور بھوری آنکھیں جنکی پلکوں میں تمکنت اور تصنع کا انداز تھا، پہلے سے زیادہ تیز ہو گئی تھیں۔

انہوں نے جو مجھ سے ہاتھ ملایا، اور جسطرح مجھے دیکھ کر مسکرائے، اس سے

معلوم ہوتا تھا، کہ گویا ایک صدر مدرس ہے جو ایک چھوٹے بچے کو دعائیں دے رہا ہو - اس کے بعد دوسروں کا خیر مقدم کیا اور جب سب اسباب اور آکسیجن کے اسٹوانے رکھوا چکے تو انھوں نے ہم سب کو ایک موٹر کار میں بٹھایا۔ جسکو چلانے کیلئے وہی بے حس اور کم گو آسٹن تھا۔ اور جب میں پہلی مرتبہ پروفیسر سے ملاقات کرنے آیا تھا تو یہی شخص خانساماں کی حیثیت رکھتا تھا ہمارا سفر ایک چکردار پہاڑی پر نہایت خوبصورت اور خوشنما منظروں میں ہو رہا تھا میں آگے موٹربان کیساتھ بیٹھا تھا اور میری پیچھے میرے تینوں ہمراہی سب کے سب مصروفِ گفتگو تھی - جہاں تک میں سُن سکا، لارڈ جان ابھی تک اپنا بھینس والا قصہ سنا رہے تھے، اور سابق کیطرح مجھے پھر سے لنجر کی آواز اور سمرلی کی ضغطے سنائی دینے لگی - کیونکہ ان کے دماغ اسوقت اعلیٰ اور دقیق علمی مناظرہ میں مصروف تھے، یکایک آسٹن نے چلانیوالے پہیئے پر سے اپنی نگاہ ہٹائے بغیر اپنا روغنی چہرہ میری طرف پھیرا - کہنے لگا :-

"مجھ پر نظریں پڑ رہی ہیں"

"کمال ہے" میں نے کہا

آج ہر چیز نرالی نظر آتی تھی - ہر شخص غیر متوقع اور عجیب باتیں کرتا تھا ایک خواب سا معلوم ہوتا تھا -

آسٹن نے ذرا سوچ کے کہا "یہ سینتالیسویں مرتبہ ہے"

"تم کب جاؤ گے؟" میں نے پوچھا، جب کوئی بات ذہن میں نہ آسکی"

"میں نہیں جاتا" آسٹن نے کہا۔

اسپر گفتگو ختم ہوتی معلوم ہوتی تھی، کہ پھر اس نے یوں چھیڑا:۔
"اگر میں چلا جاؤں، تو ان کی خبر کون لیگا"
اسپر اپنے سر سے اپنے آقا کی طرف اشارہ کیا، "ان کو ملازمت کرنے کو کون ملیگا"
"کوئی اور ملجائیگا" میں نے یوں ہی کہدیا۔
"کوئی بھی نہیں، ہفتہ بھر تو کوئی ٹھیریگا نہیں۔ اگر میں چلا جاؤں۔ تو ان گھر کا ستیاناس ہوجائیگا۔ جیسے کسی گھڑی سے کوئی کمانی نکال لے۔ میں آپ سے اسلئے کہہ رہا ہوں۔ کہ آپ ان کے دوست ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہونا چاہئے اگر میں ان کی بات پر جاؤں، لیکن مجھ میں اتنا گردہ نہیں مگر اتنا سمجھ لیجئے، کہ وہ اور بیگم دونوں بچوں کی طرح بلبلانے لگیں گی میں ہی تو ہر چیز ہوں۔ اس پر بھی ان کو دیکھئے کہ آئے اور مجھے جواب دیدیا"
"کوئی ٹھیرتا کیوں نہیں" میں نے پوچھا
"بات یہ ہے کہ کوئی میری طرح ہر بات کا لحاظ نہیں کرسکتا۔ یہ حضرت بڑی ہوشیار ہیں۔ یہ ہمارے آقا، اور بعض اوقات تو اتنی ہوشیاری کرتے ہیں کہ تکلیف دہ ہوجاتی ہے۔ کبھی جوان کی رگ پھڑکتی ہے، تو نہ جانے کیا سے کیا ہوجاتے ہیں، اب دیکھئے آج صبح کی ان کی حرکت ملاحظہ کیجئے"
"کیا کیا؟"
آسٹن میری طرف جھکا، اور کان کے قریب آکر بھرّی آواز میں کہنے لگا "انہوں نے خانہ دار کو کاٹ کھایا"

"کاٹ کھایا؟

"جی ہاں۔ ٹانگ میں کاٹ کھایا، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، کہ وہ دروازہ سے نکل کے بھاگ رہی تھی۔"

"کمال ہے"

اگر آپ اور باتوں کو ہوتا دیکھیں۔ تو آپ یہی کہینگے۔ وہ پڑوسیوں سے بھی دوستی پیدا نہیں کرتے، ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ آپ نے جن دیو زادوں کا ذکر لکھا ہے ان ہی کے ساتھ آقا بہت خوش تھے، اور یہ کہ اس سے بڑھکر کوئی اور صحبت ان کیلئے موزوں نہ تھی۔ یہی ان لوگوں کا کہنا ہے لیکن میں نے ان کی خدمت دس برس کی ہے، اور اب میں ان سے بہت مانوس ہو گیا ہوں، لیکن جناب کو یاد رہے کہ یہ سب کچھ صحیح، لیکن ہیں وہ ایک بڑے آدمی۔ اور ان کی خدمت کرنا عزت کی بات ہے، لیکن بعض وقت وہ بہت بیجا سخت گیر بنجاتے ہیں۔ اچھا اسے ہی دیکھئے کیا پرانے زمانے کی مہمان نوازی اسی کا نام ہے، آپ بھی اسے پڑھ لیجئے۔"

موٹر اب اپنی کم سے کم رفتار سے ایک ڈھلوان اور پیچدار راستے پر چڑھ رہی تھی۔ کونے پر مجھے ایک تختہ اعلان نظر آیا جو ایک تراشیدہ جھاڑی کے اوپر دکھائی دیتا تھا۔ جیسا آسٹن نے کہا تھا پڑھنا کچھ مشکل نہ تھا کیونکہ الفاظ چند تھے اور توجہ گیر تھے

انتباہ } اجنبی، نمائندگانِ اخبار اور گداگر نہ آئیں، تو بہتر ہے۔ جی، ای، چے لنجر

آسٹن نے سر ہلا کر اور اس قابل افسوس انتباہ پر نظر ڈال کر کہا "کہئے جناب آپ اسکو تپاک تو نہیں کہینگے، ایک کرسمس کارڈ میں یہ کب بھلا معلوم ہوتا ہے، معاف کیجئے گا برسوں سے میں نے اتنی گفتگو کبھی نہیں کی۔ لیکن آج میرے جذبات مجھ پر غالب آگئے ہیں، چاہے وہ مجھے کتنا ہی رخصت کریں، اور کتنا ہی جواب دیں لیکن بندہ تو جاتا نہیں، حضت! صاف بات تو یہ ہے - میں ہی انکا خادم اور وہی میرے آقا - اور میں تو جانتا ہوں کہ رہتی دنیا تک ایسا ہی رہیگا"۔

اب ہم ایک دروازے کے سفید کھمبوں سے گزر چکے تھے، اور ایک خمدار سڑک پر جا رہے تھے - جس کے دو طرفہ خرزرہ کی جھاڑیاں تھیں اس کے آگے ایک نیچا نیچا اینٹ کا مکان تھا - جو بہت خوبصورت اور آرام دہ تھا بیگم چے لنجر کی پستہ نازک اور متبسم صورت کھلے دروازے میں ہمارے استقبال کیلئے کھڑی تھی۔

چے لنجر نے موٹر سے اتر کے کہا "جانِ من! یہ لو ہمارے مہمان آگئے مہمانوں کا آنا ہمارے لئے ایک نئی بات ہے - کیوں ہے نا؟ ہم سے اور ہمارے پڑوسیوں سے کبھی تعلقات رہے! کبھی نہیں۔ اگر وہ ہماری کھانے کی گاڑی میں سم الفار ڈال سکیں تو مجھے یقین ہے، کہ ضرور ڈالیں گے"۔

"یہی تو غضب ہے! یہی تو غضب ہے!" بیگم نے کچھ ہنس کر اور کچھ رو کر کہا "چے لنجر ہمیشہ ہر ایک سے لڑتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس نواح میں ہمارا کوئی دوست نہیں"۔

چے لنجر نے اپنی چھوٹی اور موٹی بانہہ بیگم کی کمر میں ڈال کر کہا "اسی وجہ سے تو میں اپنی بے نظیر بیوی کی طرف کامل طور سے ملتفت رہتا ہوں"۔ ایک بن مانس اور ایک غزال کا خیال کیجئے اور آپ کے سامنے دونوں کی تصویر کھنچ جائیگی۔ "خیر جانے دو، یہ حضرات سفر سے تھکے ہوئے ہیں۔ کھانا تو تیار ہوگا۔ کیا سارا واپس آگیا؟"

بیگم نے تاسف سے سر ہلایا۔ اور پروفیسر نے ایک زور کا قہقہہ لگایا اور ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔

"آسٹن! دیکھو، جب تم موٹر کھڑی کر چکو تو دسترخوان چننے میں بیگم صاحبہ کو مدد دو۔ اب حضرات آپ میرے مطالعہ خانے میں آیئے، کیونکہ دو ایک ضروری باتیں ہیں، جنکا ذکر آپ سے کرنے کیلئے میں بہت بیچین ہوں"۔

دوسرا باب

موج فنا

جب ہم ہال پار کر چکے تو ٹیلیفون کی گھنٹی بجی، اور پھر ہم نے بلا قصد پروفیسر چے لنجر والاگ کا حصہ سنا، میں نے ہم، کہا لیکن یہ یقین ہے کہ سو سو گز تک ہر شخص نے اس زبردست آواز کو سنا ہوگا۔ جو سارے گھر میں گونج رہی تھی۔ ان کے جوابات تا دیر میرے ذہن میں قایم رہے

جی ہاں، جی ہاں بے شک میں ہی ہوں، - - - - ہاں، ہاں یقیناً پروفیسر چے لنجر، اور کون؟ - - - - بیشک، اسکا ہر لفظ، ورنہ میں اسے نہ لکھتا، - - - - مجھے تعجب نہ ہوگا - - - اسکی بہت سی علامتیں ہیں، - - - - زیادہ سے زیادہ ایک یا دو دن کے اندر - - - - میں کچھ نہیں کر سکتا۔ آپ ہی بتلایئے؟ - - - - بہت ہی ناخوشگوار، بلاشبہ لیکن میری دانست میں آپ سے زیادہ بڑے اشخاص پر بھی یہی اثر ہوگا۔ اب چوں و چرا کرنے سے کیا فایدہ - - نہیں غالباً میں نہیں کر سکتا، آپ بھی اپنی قسمت آزمائیے - - - - بس اتنا ہی کافی ہے - - - کیا لغویت ہے۔ اس خرافات سننے سے بہتر کام میرے لئے موجود ہے"

انہوں نے زور سے سماع رکھدیا، اور ہم کو ایک بڑے ہوادار کمرے میں لیگئے۔ جو انکا مطالعہ خانہ تھا۔ وہاں ایک بڑی مہاگنی میز پر سات یا آٹھ بے کھلے تار پڑے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے ایک ایک کر کے تار اٹھائے تو کہنے لگے۔

"مجھے یہ خیال ہونے لگا ہے کہ اگر میں کوئی تار کا پتہ اختیار کروں۔ تو میرے نامہ نگاروں کا روپیہ بچ جایا کریگا۔ شاید "نوح راتھر فیلڈ" سب سے بہتر ہوگا"

اس خفی مذاق کے بعد جیسا کہ انکا معمول تھا، وہ میز پر جھکے، اور نہایت زور سے قہقہہ مارنے لگے۔ یہانتک کہ ہاتھ کانپنے لگے۔ اور وہ لفافے نہ کھول سکے۔

"نوح! نوح!" چقندر کی سی صورت بنا کے وہ کہنے لگے اور لارڈ جان اور مَیں ان پر رحم کھا کے ہنسنے لگے، اور سمر لی ایک بیمار گوسفند کی طرح اپنی نارضامندی ظاہر کرنے کیلئے سر ہلانے لگا۔ بالآخر چے لنجر نے با وجود اپنے شور و شغب کے تار کھولنا شروع کئے۔ اور ہم تینوں پھر کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر خوشنما منظر کا لطف اٹھانے لگے۔

واقعی وہ تھا بھی دیکھنے کے قابل۔ سڑک کے موڑ ہم کو بہت بلندی پر لے آئے تھے۔ اور جیسا کہ ہم کو بعد کو معلوم ہوا۔ ہم سات سو فٹ کی بلندی پر تھے۔ چے لنجر کا مکان پہاڑی کے بالکل کناری پر تھا۔ اور اس کے جنوبی رُخ سے جس طرف کہ مطالعہ خانہ کی کھڑکی تھی، نظر اٹھانے سے وسیع کوہسار دکھلائی دیتا تھا جس کے اس پار جنوبی گھاٹی کے پیچ و خم ایک لہریا افق پیدا کر رہے تھے۔ پہاڑیوں کی ایک گھاٹی میں سے دُھواں اٹھتا نظر آتا تھا۔ جس سے مقام لِی وِس کا پتہ چلتا تھا۔ ٹھیک ہمارے قدموں کے نیچے اوسر کا لہراتا میدان تھا جسمیں کروبرا کے گالف کھیلنے کے رمنے ہرے ہرے پیوندوں کی طرح نظر آتے تھے۔ اور جن کے بیچ میں کھیلنے والے گل بوٹے معلوم ہوتے تھے۔ ذرا ہٹ کر جنوب کی طرف جنگل کی ایک پھیلاؤ میں لندن سے برائٹن جانیوالی ریل کی پٹری کا ایک حصہ نظر آتا تھا۔ اس کے سامنے ہی ہماری آنکھوں کے نیچے ایک چھوٹا سا گھرا ہوا صحن تھا جس میں وہ موٹر کھڑی تھی۔ جو ہمیں اسٹیشن سے لائی تھی۔

چے لنجر کی ایک چیخ نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ وہ اب اپنے

تار پڑھ چکے تھے، اوران سب کو انہوں نے میز پر ترتیب سے رکھ دیا تھا، ان کا کشادہ اور ناہموار چہرہ یا یوں کہئے کہ جتنا گھنی داڑھی کے اوپر نظر آتا تھا ابھی تک سرخ تھا، اور معلوم ہوتا تھا کہ ابھی تک ان پر زبردست ہیجان طاری تھا۔ چنانچہ ہم سے اس انداز سے مخاطب ہوئے گویا کسی بڑی مجمع کو خطاب کر رہی ہیں۔

"ہاں حضرات! یہ بلاشبہ دوبارہ یکجائی نہایت ہی دلچسپ ہے اور یہ ہوئی بھی نہایت غیر معمولی بلکہ غیر متوقع حالات میں، میں آپ لوگوں سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں، کہ شہر سے آتے ہوئے کیا آپ نے کوئی بات ملاحظہ کی؟"

"میں نے جو کچھ دیکھا" سمرلی نے خندۂ ترش کیساتھ کہا "وہ یہ کہ ہماری نوجوان دوست نے ان تمام پچھلے سالوں میں ذرا بھی ترقی اپنے عادات واطوار میں نہیں کی ہے، مجھے بہت افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ریل میں مجھے ان کے برتاؤ سے سخت شکایت رہی اور یہ صاف گوئی کے خلاف ہوگا اگر میں یہ نہ کہوں کہ میرے دماغ میں اس کا نہایت ناگوار اثر پیدا ہوا ہے۔"

"خیر، خیر۔ ہم میں سے سب بعض وقت بے لطف ہو جاتے ہیں، ان صاحبزادی کی نیت میں فتور نہ تھا۔ بہرحال وہ چونکہ بین قومی ہیں۔ اسلئے اگر فٹ بال کا کھیل بیان کرنے میں آدھ گھنٹہ صرف کر دیں، تو دوسرے لوگوں سے ان کو زیادہ حق حاصل ہے۔"

"آدھ گھنٹہ کھیل بیان کرنے کیلئے!" میں نے ذرا غصہ سے کہا،

"اجی حضرت! یہ تو آپ نے کسی بھینس کی طول طویل کہانی میں آدھ گھنٹہ صرف کیا، پروفیسر سمرلی میرے گواہ ہیں"

"میں ذرا مشکل سے یہ فیصلہ کر سکتا ہوں، کہ آپ دونوں میں کون زیادہ سمع خراش تھا" سمرلی نے کہا "لیکن چیلنجر صاحب میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں، کہ میں ہرگز ہرگز اپنی زندگی میں فٹ بال یا بھینس کا کوئی قصہ سننا نہیں چاہتا"

"میں نے تو آج فٹ بال کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا" میں نے احتجاجاً کہا۔

لارڈ جان نے زور سے سیٹی بجائی اور سمرلی نے افسوس کیساتھ سر ہلایا، اور کہنے لگے "اتنی جلدی بھول گئے، واقعی نہایت افسوسناک بات ہے، جب میں افسردہ، اور مستغرق خاموشی کے ساتھ بیٹھا تھا۔۔۔"

"خاموشی کے ساتھ" لارڈ جان چلا اٹھے۔ "واہ حضرت! آپ تو راستے بھر نہ جانے کن کن بولیوں کی نقل کرتے رہے، مجھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ بجائے آدمی کے ایک بگڑا گراموفون بول رہا ہے"

سمرلی غصہ سے احتجاج کیلئے تن گئے اور ذرا روکھا منہ بنا کے کہنے لگے

"لارڈ صاحب اسوقت آپ مذاق پر اتر آئے"

"ارے میاں، گولی ماریئے، یہ تو صاف اور صریح جنون ہے" لارڈ جان نے کہا، "ہم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی حرکتوں کی خبر ہے، لیکن اپنی حرکتیں کوئی نہیں جانتا، اچھا آیئے، اب شروع

سے ہر بات کو دیکھیں، ہم سب سے پہلے ایک اوّل درجے کے ڈبے میں سوار ہوئے، ہے نہ یہ بات؟ اور پھر مہربان پے لنجر کے ٹائمز والے خط پر جھگڑنے لگے"

"تو کیا آپ جھگڑ رہے تھے، کیا واقعی؟" ہمارے میزبان نے کہا ان کی پلکیں اب بند ہونے لگیں۔

"سمرلی صاحب! آپ ہی نے تو کہا تھا کہ ان کے دعوے میں صداقت کا امکان تک نہیں"

"خوب!" پے لنجر نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کے اور سینہ پھلا کر کہا "صداقت کا امکان نہیں، میں نے ان لفظوں کو شاید پیشتر بھی سنا ہے۔ اب میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں، کہ کون سے دلائل تھے جن کی بنا پر مشہور و معروف پروفیسر سمرلی نے اس بیچارے غریب کی خبر لے ڈالی۔ جس نے ایک علمی امکان کے مسئلہ میں رائے ظاہر کرنے کی جرأت کی پیشتر اس کے کہ وہ اس بدبخت کے وجود کو مفقود کر دیں۔ غالباً وہ اتنا کرم ضرور کریں گے، کہ جو مخالف رائے انہوں نے قائم کی ہے، اس کے دلائل بیان کریں"

جب وہ یہ مخصوص طنز آمیز انداز میں کلام کر رہے تھے، تو کبھی جھکتے، شانے ہلاتے، اور ہاتھ پھیلاتے

"دلیل تو کھلی ہوئی ہے"، ضدی مزاج سمرلی نے کہا "میرا یہ اعتراض تھا، کہ اگر زمین کو گھیرے ہوئے ایتھر، زمین کے کسی خطہ میں اسقدر مسموم تھا، کہ اُس نے ایک وبا پیدا کر دی تو یہ کیسے ممکن تھا۔ کہ ہم تینوں ایک

ریل میں بیٹھے اس سے بالکل متاثر نہوتے؛

اس تاویل پر چیف لنجر نے تو وہ زور کے قہقہے لگائے کہ ساری کمرہ کو سر پر اٹھا لیا، بالآخر پیشانی سے پسینہ خشک کر کے کہنے لگے

"یہ کوئی پہلی ہی مرتبہ نہیں ہے کہ ہمارے مکرم ہمرلی صاحب واقعات سے یوں بے بہرہ ہوں۔ اب حضرات میری خیال میں مَیں اس سے زیادہ نہیں کر سکتا کہ آج صبح خود مجھ پر جو گزری، اسکو تفصیل کیساتھ آپ لوگوں کے سامنے بیان کر دوں، جب آپ کو یہ معلوم ہوگا کہ بعض واقعات ایسے بھی ہوئے ہیں۔ جنہوں نے میرے توازنِ ذہنی کو درہم برہم کر دیا تو آپ لوگوں کو اپنی ذہنی ژولیدگی کا اتنا افسوس نہوگا۔

اس مکان میں کئی برس سے ایک خانہ دار ملازم ہے، جس کا نام سارہ ہے جس کے نام کے دوسرے حصّے سے آگاہ ہونے کی میں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ وہ سخت اور سنجیدہ مزاج کی ایک عورت ہے، اسکا انداز بہت پُر تکلف اور پُر احتیاط تھا۔ طبعاً وہ بہت بجس تھی۔ اور ہماری تجربے میں ابتک تو اس نے کسی جذبے یا ولولے کو ظاہر نہیں ہونے دیا، آج میں ناشتہ پر اکیلا بیٹھا تھا۔ بیگم صاحبہ تو صبح کے وقت اپنی ہی کمرے میں رہا کرتی ہیں کہ یکایک میری ذہن میں یہ خیال آیا، کہ یہ دیکھنا بہت دلچسپ اور سبق آموز ہوگا کہ اس عورت کی بجسی کی کوئی حد بھی ہے، اس کیلئے میں نے سیدھا سا مگر موثر تجربہ کیا۔ ایک چھوٹے گلدان کو جو دسترخوان کے بیچ میں رکھا تھا میں نے الٹ دیا۔ اور پھر گھنٹی بجا کے میز کے نیچے دبک رہا۔ وہ داخل

ہوئی، اور کمرے کو خالی پاکے سمجھی کہ میں مطالعہ خانے میں چلا گیا ہوں جیسی کہ مجھ کو توقع تھی، وہ میز کے قریب آئی اور گلدان کو سیدھا کرنے کیلئے جھکی اب مجھے سوتی موزے اور ربڑدار جوتے نظر آئے، اپنا سر باہر نکال کے میں نے اسکی پنڈلیوں میں خوب زور سے کاٹا، یہ تجربہ امید سے زیادہ کامیاب رہا، چند لمحے تو وہ بالکل مبہوت میرے سر پر نظر جمائے کھڑی رہی۔ اس کے بعد ایک چیخ ماری اور اپنے کو چھڑا کے کمرے سے باہر بھاگی۔ میں اس کے پیچھے بھاگا کہ کچھ اسے سمجھاؤں لیکن وہ سڑک پر نہایت تیزی سے بھاگی اور چند لمحے بعد جو میں نے اپنی دوربین سے دیکھا، تو اسکو جنوب مغربی سمت میں نہایت تیزی سے بھاگتے دیکھا، میں نے یہ واقعہ من وعن بیان کر دیا، اب میں نے آپکے ذہنوں میں اسکا بیج تو بو دیا ہے دیکھئے پھل کیا پیدا ہوتا ہے، کہئے! آپ نے کچھ روشنی پائی؟ آپ کے دماغوں نے کوئی اثر قبول کیا؟ لارڈ جان صاحب آپ اس کی نسبت کیا رائے رکھتے ہیں؟"

لارڈ جان نے نہایت متانت سے اپنا سر ہلایا اور کہنے لگے :-

"اگر جناب نے ابھی تدارک نہ کیا تو آئندہ چل کر آپ کو ایک نہ ایک دن کسی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑیگا۔"

"سمرلی صاحب! شاید آپ کچھ کہیں؟"

"ہاں یہ کہ سارا کام فوراً چھوڑ دیجئے، اور تین مہینہ تک کسی جرمن گھاٹ میں جا کے رہئے۔"

"خوب! خوب! بہت خوب!" چیلنجر چلّا اُٹھے

"اچھا۔ میرے نوجوان مہربان! کیا یہ ممکن ہے کہ جہاں آپ سے بزرگ تر اصحاب یوں ناکام رہے وہاں آپ سے کوئی بات صحیح معلوم ہو سکے"

چنانچہ صحیح بات معلوم ہوئی۔ میں نہایت انکسار کے ساتھ کہتا ہوں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ معلوم ہو کے رہی۔ بیشک اب جبکہ ہر واقعہ آپ کی نظروں کے سامنے ہے۔ آپ کو ہر بات بدیہی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جس وقت ہر بات نئی تھی، اُس وقت یہ ہدایت نہ تھی، لیکن مجھ پر دفعتہً نہایت یقین کے ساتھ القا ہوا۔ چنانچہ میں چلا اٹھا:۔

"زہر"

جوں ہی کہ میں نے یہ لفظ ادا کیئے میرا ذہن آج صبح کے تمام واقعات کیطرف دوڑ گیا۔ کہ لارڈ جان اپنی بھینس کا قصہ سنا رہے تھے، میں اپنے آنسو بہا رہا تھا۔ اور پروفیسر سمرلی عجیب و غریب حرکتیں کر رہے تھے۔ پھر لندن کے انوکھے واقعات کا خیال آیا۔ کہ باغیچہ میں کیونکر جھگڑا ہوا۔ اور پھر شوفر نے کس طرح موٹر چلائی۔ اور آکسیجن فروش کی دکان پر کیا جھگڑا ہوا۔ اب ہر چیز اپنی جگہ پر بیٹھتی نظر آتی تھی، چنانچہ میں نے پھر کہا۔

"بے شک یہ زہر ہے۔ ہم سب مسموم ہو گئے"

"بالکل درست" چیلنجر نے ہاتھ ملتے کہا "ہم سب مسموم ہو گئے۔ ہمارا سیارہ ایثر کے حلقۂ مسموم میں آگیا ہے۔ اور اب اُسمیں لاکھوں میل فی دقیقہ کی رفتار سے اور بھی آتا جاتا ہے۔ ہماری تمام تکلیفوں اور پریشانیوں کی علت ہمارے نوجوان دوست نے ایک لفظ "زہر" میں کردی"

اب ہم متعجبانہ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ صورت حال کیلئے کوئی بات ہی موزوں نہ معلوم ہوتی تھی۔ بالآخر چے لنجر یوں گویا ہوئے :۔

"ذہن میں ایک قوتِ مدافعت ایسی ہوتی ہے جس سے ہم اس قسم کی علامات کو روک سکتے ہیں۔ اور ان کو قابو میں رکھ سکتے ہیں۔ مجھے یہ توقع نہیں کہ آپ سب میں اس قوت نے اسدرجہ تک نشوونما پایا ہو۔ کہ جس حد تک مجھ میں موجود ہے۔ کیونکہ میرا خیال یہ ہے کہ ہمارے ذہنی اعمال کی طاقت بھی ہماری ہی نسبت سے ہوا کرتی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ ہمارے ان نوجوان دوست میں وہ ایک قابلِ احساس حد تک موجود ہے۔ اس طوفانِ جوش کے بعد، جس نے میری ملازمہ کو اسقدر خائف کر دیا۔ میں بیٹھ گیا۔ اور خود سے استدلال کرنے لگا۔ میں نے یوں سوچا کہ اس سے پیشتر گھر کے آدمیوں میں سے کسی کو کاٹنے کی خواہش مجھ میں کبھی پیدا نہیں ہوئی معلوم ہوا کہ یہ تحریک خلاف معمول تھی۔ فوراً ہی میرے ذہن میں صحیح بات اتر آئی۔ میں نے اپنی نبض دیکھی۔ تو معمول کے خلاف دس ضربیں زیادہ پائیں تنفس زیادہ ہو گیا تھا۔ اب میں نے اپنے بلند تر اور صحیح تر نفس یعنی اصلی جی۔ اسی چے لنجر کو طلب کیا۔ جو ان تمام مادی تموجات سے علیحدہ نہایت متین اور محفوظ مقام پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہاں میں کہتا ہوں کہ میں نے اپنے اس نفس کو طلب کیا۔ تاکہ وہ دیکھے کہ یہ زہر کن کن حرکاتِ ناشائستہ کا مرتکب بنا سکتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ واقعی میدان میرے ہاتھ تھا۔ میں نے جانا

کہ میں خللِ دماغ کو پہچان سکتا تھا اور اسکو قابو میں رکھ سکتا تھا۔ یہ ایک حیرت انگیز مثال تھی، مادے پر نفس کے تسلط کی۔ کیونکہ یہ تسلط مادے کی اس خاص صنف پر تھا جس کا نفس سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ دماغ میں اسوقت فتور تھا اور ذات اسپر غالب تھی۔ چنانچہ جب میری بیوی نیچے آئیں اور مجھ میں یہ چل پیدا ہوئی کہ دروازے کے پیچھے دبک کے کسی مکروہ آواز سے انہیں ڈراؤں تو میں اپنی اس چل کو دبا سکا اور پھر نہایت متانت اور سنجیدگی سے ان کا استقبال کر سکا۔ اسی طرح جب بطخ کی طرح قائیں قائیں کرنیکا خیال آیا تو وہ بھی اسی طرح قابو میں کر لیا گیا۔ بعدہٗ جب میں نیچے اترا اور موٹر کے پاس آسٹن کو مرمت میں مصروف دیکھا تو میرے جی میں آئی کہ اس کے ایک چپت رسید کروں۔ لیکن پھر میں نے اپنے کو قابو میں کر لیا اور اٹھا ہاتھ روک لیا۔ ورنہ شاید اس کو بھی خانہ دار کے نقشِ قدم پر چلنا پڑتا۔ برخلاف اس کے میں نے یہ کیا کہ آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اور یہ حکم دیا کہ آپ لوگوں کو اسٹیشن سے لانے کیلئے موٹر تیار رہے اور اب اسوقت میرے دل میں یہ زبردست خواہش پیدا ہوئی ہے۔ کہ میں پروفیسر سمرلی کو ان کی گوسفندی ڈاڑھی پکڑ کے خوب زور سے جھنجھوڑوں۔ لیکن آپ مجھے دیکھتے ہیں۔ کہ میں پورے طور سے آپے میں ہوں۔ میں اپنی مثال آپ لوگوں کیلئے پیش کرتا ہوں۔"

"اچھا تو میں ذرا اس بھینس کی تلاش کرونگا" لارڈ جان نے کہا۔

"اور میں فٹ بال کے میچ کی خبر لیتا ہوں۔"

"ممکن ہے چیلنجر صاحب! آپ ہی صحیح ہوں۔" سمرلی نے سنجیدہ آواز میں کچھ سمجھ کے کہا۔ "میں اس اعتراف پر تیار ہوں کہ میرا رجحانِ دماغی تعمیری ہونے کی بجائے تخریبی ہے۔ اور یہ کہ میں کسی نئے نظریہ کا جلد قائل نہیں ہو جاتا۔ بالخصوص جب وہ اس جیسا انوکھا اور نرالا ہو۔ بہرحال اب جبکہ میں آج صبح کے واقعات پر نظر ڈالتا ہوں۔ اور اپنے ہمراہیوں کے عجیب و غریب برتاؤ کو یاد کرتا ہوں تو پھر مجھے اس کے باور کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اس سب کا ذمہ دار کوئی ہیجان آور زہر ہے۔"

چیلنجر نے خوش مزاجی سے اپنے ہم مشرب کا کندھا تھپتھپایا اور کہنے لگے "ہم ترقی کر رہے ہیں۔ یقیناً ہم ترقی کر رہے ہیں۔"

اس پر سمرلی نے انکسارانہ پوچھا "اچھا یہ تو بتلائیے، حضرت! کہ موجودہ صورتِ حال کی بابت آپ کا کیا خیال ہے؟"

"آپ کی اجازت ہو تو چند الفاظ اس موضوع پر عرض کروں۔" یہ کہہ کے وہ اپنی میز کے پاس بیٹھ گئے۔ اور اپنی چھوٹی اور موٹی ٹانگیں ہلانے لگے "ہم ایک نہایت عظیم الشان اور ہیبتناک تقریب میں شریک ہیں۔ میری رائے میں یہ دنیا کے خاتمے کی تقریب ہے۔"

دنیا کا خاتمہ! ہماری آنکھیں اس بڑی کھڑکی کی طرف اٹھیں اور ہم نے قرب و جوار کے خوبصورت منظر کو دیکھا۔ مرغزار و سبزہ زار نظر آئے۔ دیہاتی مکانات دکھائی دیئے اور لاعبین اپنے اپنے لہو و لعب میں مشغول نظر آئے اور پھر دنیا کا خاتمہ! یہ الفاظ سنے تو بہت تھے

لیکن یہ تصور، کہ یہ فوراً عملی جامہ پہننے والے ہیں نہ کہ کسی موہوم و مبہم دن کو ظہور پذیر ہوں گے۔ اور یہ کہ آج اسی وقت انکا ظہور ہونے والا ہے نہایت درجہ پر عظمت و ہیبت تھا۔ ہم سب کے سب مبہوت سے رہ گئے اور یہ انتظار کرنے لگے کہ چے لنجر کچھ اور کہیں۔ ان کے زبردست وجود اور شکل نے ان الفاظ میں اور بھی مرعوبیت پیدا کردی۔ یہاں تک کہ ایک لمحہ کیلئے ہم ان کی تمام لغویات و توہمات کو بھول گئے اور ہمارے سامنے وہ عظیم الشان اور عام سطح سے بلند انسان نظر آنے لگا۔ پھر کم از کم مجھے اس خیال سے ذرا اطمینان ہوا کہ ہمارے کمرے میں داخل ہونے کے وقت سے وہ دو مرتبہ خوب ہنسے۔ یقیناً خلل دماغ کی بھی کوئی حد ہوتی ہے بہرحال یہ بحران اسقدر عظیم اور اسقدر لابدی نہیں ہو سکتا۔

چے لنجر نے اب یوں کہنا شروع کیا:۔

آپ ایک خوشۂ انگور کا تصور کیجئے، جس پر ننھے ننھے لیکن مضرت رساں جراثیم لپٹے ہوں۔ باغباں اس خوشہ کو ایک جرمار (جراثیم مارنیوالا) داسطے میں سے گزارتا ہے۔ ممکن ہے کہ باغبان کی یہ خواہش ہو کہ اس کے انگور صاف تر ہوں۔ یا ممکن ہے کہ پہلے سے کم مضرت رساں جراثیم پیدا کرنے کے لئے جگہ مطلوب ہو وہ اس کو زہر میں ڈبو دیتا ہے اور جراثیم سب کے سب فنا ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں ہمارا باغباں ازلی اس شمسی نظام کو اسی طرح ڈبونے والا ہے اور انسانی جراثیم یعنی وہ چھوٹا فانی مرتعشہ جو زمین کے بالائی دشتر پر بل کھاتا اور تلملاتا تھا، وہ ایک

لمحہ میں حجم کر فنا ہو جائیگا۔"

اسپر خاموشی طاری ہوگئی، اس خاموشی کو ٹیلیفون کی گھنٹی کی تیز آواز
نے توڑا۔ اپھے لنجر نے خندۂ بریاں کے ساتھ کہا "دیکھئے ہمارے جرائم
میں سے ایک کو مدد کی ضرورت ہے۔ اب وہ اس بات کو سمجھنے لگے
ہیں کہ ان کی مسلسل زندگی کائنات کے لوازمات میں سے نہیں ہے"
وہ کمرے سے ایک یا دو منٹ کیلئے چلے گئے۔ مجھے یاد ہے کہ ان
کے غیاب میں ہم میں سے کوئی نہ بولا۔ حالت ہی ایسی تھی، کہ قیل و
قال کی گنجائش نہ تھی۔ جب وہ واپس آئے تو کہنے لگے۔

"برائی ٹن کے طبی افسر صحت تھے۔ سطح سمندر پر کسی نہ کسی وجہ سے
یہ علامات زیادہ نشو و نما پا رہی ہیں۔ ہم چونکہ ۷۰۰ فٹ کی بلندی پر ہیں
اسلئے ہمیں کسیقدر فوقیت حاصل ہے۔ لوگوں کو معلوم ہو گیا ہے کہ اس مسئلہ
پر میں ہی سند اول ہوں۔ اسمیں شک نہیں کہ یہ میرے ٹائمز والے
خط کا نتیجہ ہے۔ ابھی یہاں پہنچنے پر میں جس سے گفتگو کر رہا تھا۔ وہ ایک شہر
کا رئیس البلد تھا۔ آپ لوگوں نے مجھے ٹیلیفون پر سنا ہوگا وہ اپنی
زندگی کی قیمت خواہ مخواہ بہت زیادہ سمجھ رہے تھے۔ میں نے ذرا ان کے
خیالات درست کئے۔"

سمرلی اٹھ چکے تھے۔ اور اب کھڑکی کے پاس جا کھڑے ہوئے
ان کے پتلے پتلے سوکھے ہاتھ اندرونی ہیجان سے کانپ رہے تھے! اور
پھر نہایت متانت سے کہنے لگے :-

چے لنجر! یہ معاملہ بہت سنگین ہے - یہ یوں ہی فضولیات میں اڑا دینے والا نہیں، یہ نہ سمجھئے کہ سوالات پوچھکر میں آپ کو برافروختہ کرنا چاہتا ہوں لیکن آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں - کہ آپ کی معلومات اور آپ کے استدلال میں کسی قسم کا کوئی مغالطہ تو نہیں ہے - وہ دیکھئے سامنے اس گنبدِ نیلی رواق میں آفتاب اپنی پوری تابش کے ساتھ چمک رہا ہے - وہ دیکھئے وہ مرغزار وہ پھول، وہ پرند سب اپنی اپنی حالت پر ہیں - وہ دیکھئے گائف باز اپنی بازی میں مصروف ہیں، اور کاشتکار غلہ کاٹ رہے ہیں - آپ کہتے ہیں کہ وہ اور ہم فنا کے قریب آ پہنچے - یعنی کہ یہ روز روشن وہ یوم آخر ہے جس کا انتظار نسل انسانی اب تک کرتی آئی ہے - جہاں تک ہم کو معلوم ہے - آپ نے یہ عظیم الشان نتیجہ کس بنا پر اخذ کیا ؟ اسی پرنا، کہ طیف میں چند غیر طبعی خطوط نظر آئے ہیں - اور سماترا سے خبریں آئی ہیں - اور یہ کہ ہم سب ایک دوسرے میں عجیب ذاتی ہیجان دیکھ رہے ہیں - اگرچہ یہ کیفیت اسقدر نمایاں نہیں ہے کہ آپ اور ہم کوشش کر کے اسکو دبا نہ سکیں - چے لنجر صاحب! ہم سے تکلف نہ کیجئے اس سے پیشتر بھی ہم سبھوں نے موت کا مقابلہ کیا ہے - فرمائیے حضرت - اور صحیح صحیح فرمائیے - کہ اسوقت ہم کس مقام میں ہیں - اور آئندہ کیلئے ہماری کیا امیدیں ہو سکتی ہیں ؟

یہ ایک زبردست اور عمدہ تقریر تھی - یعنی یہ تقریر اس پُرجوش اور قوی روح کی تھی جو اس بڈھے حیوانیاتی کی سودائیت اور تلوّن مزاجی کے پردے میں نہاں تھی - لارڈ جان اٹھے اور انکا ہاتھ زور سے ہلا کر کہنے

لگے۔

"میرے دل کی بات کہدی۔ ہاں چے لنجر صاحب اب آپ کیلئے مناسب ہے کہ ہم کو بتلایئے کہ ہم کہاں ہیں؟ آپ جانتے ہیں کہ ہم ڈرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ ہم آئے تو ایک ہفتہ کی تعطیل منانے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ ذالک یوم الدین یعنی یوم فصل ہے تو آپ ہی بتلایئے کہ تاویل وتوجیہہ کی ضرورت ہے یا نہیں۔ صاف صاف بتلایئے کہ خطرہ کیا ہے، اور کسقدر واقع ہوچکا ہے۔ اور اس کا مقابلہ کرنے کیلئے ہم کیا کرنیوالے ہیں؟"

دراز قد اور مضبوط لارڈ جان اپنا ہاتھ سمرلی کے کندھے پر رکھے کھڑکی کے سامنے روشنی میں کھڑے تھے، میں ایک آرام کرسی پر دراز تھا۔ اور میرے ہونٹوں میں ایک بجھا سگریٹ دبا تھا۔ میری حالت اس وقت غنودگی کی سی تھی جس میں دماغ پر اثرات بہت صاف مرتسم ہوتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ بھی سمیت ہی کی کوئی تاثیر ہو لیکن وہ ہذیانی کیفیت اب جاتی رہی تھی۔ اور اس کی بجائے اب نقاہت پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن ساتھ ہی اس کے دماغ بہت حساس ہوگیا تھا۔ میں گویا تماشبین تھا۔ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ گویا میری ذات کو ان تمام باتوں سے کوئی تعلق نہیں، لیکن سامنے تین مضبوط آدمی بحران میں مبتلا تھے۔ ان کو دیکھنا ہی نہایت دلکش تھا۔ چے لنجر صاحب نے جواب دینے سے پہلے ذرا اپنی گھنی بھویں ملائیں اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ اس سے معلوم ہوتا

تھا۔ کہ وہ اپنی ہر بات کو تول رہے ہیں۔ پوچھنے لگے :۔

"جب آپ نے لندن چھوڑا تو تازہ ترین خبر کیا تھی ؟"

"میں دس بجے کے قریب گزٹ کے دفتر میں تھا" میں نے کہا "سنگاپور سے ریوٹر کا تار آیا تھا، کہ سماٹرا میں یہ وبا ہمہ گیر معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے روشنی کے منارے جلائی نہیں جا سکے"۔

"اس کے بعد سے واقعات کی رفتار بہت تیز ہو گئی" چیلنجر نے تاروں کی گڈی اٹھا کر کہا "افسروں اور اخبار والوں دونوں سے میری مخابرت جاری ہے جس سے سب جگہوں کی خبریں مجھ تک آ رہی ہیں۔ اور فی الحقیقت ہر شخص اسپر مصر نظر آتا ہے کہ میں لندن آؤں لیکن مجھے اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ بیانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زہریلا اثر پہلے دماغ کو مختل کر دیتا ہے پیرس سے خبر آئی ہے کہ وہاں آج صبح زبردست ہنگامہ ہوا۔ اور ویلز کے کوئلہ کھودنے والوں نے بھی شور مچا رکھا ہے جہاں تک کہ شہادت بہم پہنچی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ہیجانی کیفیت، جو اقوام و افراد کے ساتھ مختلف ہے جب گزر جاتی ہے تو اس کے بعد ایک طرح کا فخر اور روشن دماغی پیدا ہو جاتی ہے اور مجھے تو اس کی علامتیں اپنے نوجوان دوست میں نظر آتی ہیں، اس کے بعد ایک معتدبہ مدت ختم ہونے پر وہ کیفیت سکتہ میں بدلجاتی ہے جو بالآخر بہت جلد موت پر منجر ہو جاتی ہے۔ جہاں تک میرا سمیات کا علم کام دیتا ہے میں سمجھتا ہوں کہ بعض نباتاتی عصبی زہر ہوتے ہیں۔

"دھتورا" سمرلی نے تجویز کیا۔

"بہت خوب" چے لنجر نے کہا "ہاں اگر ہم ایز سمی فاعل کا نام تجویز کر سکیں
تو علمی صحت پیدا ہو جائیگی - فرض کرو کہ اسکا نام دھتوریہ ہو - جناب سمرلی صاحب
یہ سہرا آپ ہی کے سر ہے - اگرچہ افسوس ہو کہ آپ کے بعد ہوگا گو شان یکتائی
لئے ہوئے اکہ آپ نے اس ہمہ گیر مہلک شئ باغبان ازلی کے جرمار کا ایک
نام رکھدیا - پس دھتوریہ کی علامتیں ایسی ہونگی جیسی کہ میں بیان کرتا ہوں یعنی
یہ تمام دنیا پر محیط ہو جائیگا - اور مجھے تو یقین ہو کہ کسی قسم کی زندگی کا وجود اس
کے بعد نہیں پایا جا سکتا - کیونکہ اثیر ایک عالمگیر مادہ ہی - ابتک جہاں کہیں
اس کے حملے ہوئے ہیں وہاں اس نے تلون بہت دکھلایا ہی لیکن فرق
صرف چند گھنٹوں کا ہی اس کی مثال ایک بڑھتے دھارے کی ہی کہ پہلے ایک
قطعہ غرق ہوگیا اور پھر دوسرا کہیں کہیں اس میں سے نالے ادھر ادھر پھٹ
جاتے ہیں - لیکن بالآخر وہ سب کو غرق کر لیتا ہی اگر ہمارے پاس مطالعہ کرنے
کیلئے وقت ہوتا تو ہم ان دلچسپ کلیات و قوانین کو دریافت کرتے جن کے
تحت دھتوریہ کا عمل اور تقسیم انجام پاتے ہیں - جہاں تک مجھ پتہ لگا ہی" یہاں
انھوں نے اپنے تاروں کو دیکھا " وہ قومیں جو کم تربیت یافتہ ہیں وہی اس
کے اثر میں سب سے پہلے آئی ہیں - افریقہ سے بہت افسوسناک خبریں آئی ہیں -
اور آسٹریلیا کے اصلی باشندے تو فنا ہی ہوگئے - جنوبی قوموں کے مقابلے
میں شمالی قوموں نے زیادہ تاب مقاومت دکھلائی - یہ دیکھئے یہ آج صبح
نو پینتالیس پر مارسیلز سے چلا ہی میں آپ کو لفظ بلفظ سناتا ہوں :-
" پیرا ڈینس بھر میں تمام رات ہذیانی کیفیت رہی - نیمز پر انگوروں کے

کاشتکاروں میں ہنگامہ، طولوں میں اشتراکی شورش۔ آج صبح تمام آبادی پر ایک دبا سکتہ کیسا تھ طاری ہوئی۔

سڑکوں پر لاشوں کی کثرت، تمام کاروبار بند اور عالمگیر ابتری"،

ایک گھنٹہ بعد پھر وہیں سے یہ خبر آئی:۔

"ہم کو بالکل فنا ہو جانے کا خطرہ ہی۔ گرجا اور صوامع کھچا کھچ بھرے۔ مردوں کی تعداد زندوں سی زیادہ، نہایت بعید از فہم اور ہولناک، مرض بغیر درد کے ہوتا ہے لیکن فوراً اور یقینی طور پر"،

"پیرس سے بھی ایسا ہی تار آیا ہی، جہاں حالت ابھی اتنی شدید نہیں ہندوستان اور ایران تو بالکل ہی نیست و نابود ہو گئے۔ آسٹریا کی سلانی قوم بھی متاثر ہے۔ لیکن ابھی تک ٹیوٹانی قوم پر اثر نہیں پڑا ہی بحیثیت عمومی جہاں تک میری اطلاعیں تبلاتی ہیں۔ ساکنانِ میدان و ساحل، اندرون ملک اور پہاڑیوں کے رہنے والوں کے مقابلے میں جلد تر متاثر ہوتے ہیں۔ ذرا سی بلندی بھی بہت فرق پیدا کر دیتی ہی اور اگر نسل انسانی کا کوئی پس ماندہ بچا تو شاید وہ پھر ارارات یا جودی ہی پر ملیگا۔ یہ ممکن ہی کہ یہ ہماری چھوٹی سی پہاڑی بھی بحرِ بلا کا ایک جزیرہ ثابت ہو، لیکن موجودہ رفتار کے حساب سے چند گھنٹوں میں ہم سب غرق ہو جائینگے"۔

لارڈ جان نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھا اور کہنے لگی:۔

"میری سمجھ میں یہی بات نہیں آتی، کہ ہاتھوں میں تاروں کا پلندہ لئے ہوئے آپ بیٹھے کیسے ہنس رہی ہیں۔ موت کا سامنا تو مجھے اکثر

ہوا ہے، لیکن عالمگیر موت! یہ بہت ہولناک ہے"

"ہنسنے کو آپ کیا کہتے ہیں" چے لنجر نے کہا "آپ کو تو یاد ہونا چاہئے کہ آپ کی طرح میں بھی اس اثیری زہر کے دماغی اثرات سے امن میں نہیں رہا ہوں، لیکن عالمگیر موت سے جو آپ کے دل میں ایک ہیبت سی طاری ہوگئی ہے وہ میرے خیال میں زائد از ضرورت ہے۔ ہاں اگر آپ کھلی کشتی میں تن تنہا سمندر میں کسی نامعلوم مقام کیلئے چھوڑ دیئے جائیں اور اس وقت آپ کا دل بیٹھ جائے تو کوئی تعجب نہیں۔ وہ تنہائی اور وہ بے اطمینانی واقعی آپکو بہت پریشان کریگی۔ لیکن اگر آپ کا سفر ایک اچھے جہاز میں ہو اور اس میں آپ کے اعزہ واقربا اور احباب موجود ہوں۔ تو پھر آپ کو یہ محسوس ہوگا۔ کہ آپ کی منزل مقصود کیسی مہم ہی کیوں نہو آپ کو یہ اطمینان رہیگا، کہ ہم سب اس تجربے میں شریک ہیں۔ اور پھر یہ احساس اخیر وقت تک رہیگا تنہائی کی موت ممکن ہے کہ ہولناک ہو لیکن ایک عالمگیر موت، اور ایسی بلا تکلیف جیسی کہ یہ معلوم ہوتی ہے۔ میری رائے میں ہرگز کسی اندیشہ کی بات نہیں ہے لیکن ہاں مجھے اس شخص کے ساتھ ہمدردی ضرور ہے جس کا یہ خیال ہو کہ اسکی ہیبت صرف اس خیال میں ہے کہ جملہ مشاہیر اور علما و فضلا اٹھ جائینگے۔ اور اکیلے ہم ہی باقی رہ جائینگے"

"اچھا تو پھر آپ کی رائے میں کیا کرنا چاہئے؟" سمرلی نے پوچھا جنہوں نے اس مرتبہ تو اپنے ہم مشرب کے استدلال کی داد دے ہی دی۔

"چل کر کھانا کھائیں" مکان میں گھنٹی کی آواز سنکر چے لنجر نے کہا

"ہمارے پاس ایک ماہی جو پر سندون کے بعد خاگینہ بہت عمدہ پکاتی ہی ہم کو امید ہے کہ اس عالمگیر تہیج نے اسکی قابلیتوں میں فرق نہ پیدا کیا ہوگا میرے پاس ۱۸۹۶ء والی بنت العنب مقید ہے جہاں تک ہم سے ہو سکے ہمیں اسکے رہا کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے، ورنہ وہ فضول ضائع ہوگی۔"

اب وہ میز پر سے جھکے جسپر اب تک بیٹھے تھے، اور اس سیارے کی قسمت کا فیصلہ سنانے لگے۔ کہنے لگے "اگر وقت تھوڑا رہ گیا ہی تو اور بھی ضروری ہی کہ ہم سنجیدہ اور معقول تفریح میں اسے گزاریں۔"

فی الواقع اس وقت کا کھانا بہت پر لطف رہا، یہ صحیح ہی کہ ہم اپنی اس ہیبت ناک حالت کو بھولے نہ تھے بلکہ ہمارے ذہنوں میں اسکی اہمیت پوری پوری موجود تھی، چنانچہ ہمارے خیالات اس سے متاثر ضرور تھے۔ لیکن غالباً وہ روح ہی ہوتی ہی، جسکو کبھی فنا سے سابقہ نہیں پڑا، اور جو اس وجہ سے اس اختتام پر موت سے اسقدر جھجکتی ہی ہم میں سے ہر ایک کیلئے اپنی اپنی زندگیوں میں ایک مدت مدید کیلئے موت ایک مانوس چیز رہی ہی۔ رہیں وہ خاتون، تو ان کو اپنے زبردست شوہر پر پورا بھروسہ تھا۔ اور وہ قانع تھیں کہ جس راستے پر وہ چاہیں ان کو لیجائیں، مستقبل تو قضا و قدر کے ہاتھوں میں تھا۔ البتہ حال ہماری قبضے میں تھا، چنانچہ ہم نے اُس کو خوش صحبتی اور تفریح میں گزارا، جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ہماری دماغ غیر معمولی طور پر روشن تھے۔ بعض اوقات تو میں بھی نور افشانی کرنے لگتا اور چے لنجر کا تو کیا کہنا، وہ تو بس بالکل اعجوبہ تھے، اس سے پیشتر

میں نے کبھی ان کی ذاتی عظمت و شان کا یہ اندازہ قایم نہ کیا تھا۔ اور ان کے فہم و فراست کی وسعت اور زور کا اتنا قائل ہوا تھا۔ سمرلی بیچ بیچ میں کہیں کہیں کوئی اعتراض کر بیٹھتے تھے اور لارڈ جان اور میں ان دونوں کی گرمئ مباحثہ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ وہ خاتون جو تھیں وہ اپنے شوہر کی آستین پر ہاتھ رکھے، اس فلسفی کی بنکار کو ضبط میں رکھ رہی تھیں۔ حیات۔ ممات۔ قسمت۔ انجام انساں یہ وہ مضامین عالیہ تھے جن پر اس یادرہنے والی ساعت میں بحث ہو رہی تھی۔ اور جس کی اہمیت یوں اور بھی بڑھ گئی تھی۔ کہ جیسے جیسے ہم کھانا کھاتے گئے میرے دماغ میں عجیب اور یکایک ارتفاع محسوس ہونے لگا اور اعضا میں گدگدی سی پیدا ہوئی جس سے میں نے محسوس کیا کہ موج فنا آہستہ آہستہ اور بہت نرمی کے ساتھ ہماری گرد اٹھ رہی ہے۔ ہماری ہر سانس عجیب و غریب قوتوں سے بھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ تاہم ہمارے نفس خوش اور مطمئن تھے۔ اتنے میں آسٹن نے میز پر سگریٹ لا رکھے اور چلنے کو تھا کہ اسکے آقا نے کہا

"آسٹن!"

"جی حضور"

"میں تمہاری وفادارانہ خدمات کا شکریہ ادا کرتا ہوں"

اسپر ملازم کے گٹھیلے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"حضور، میں نے تو اپنے فرائض انجام دیئے ہیں"

"آج میں دنیا کے خاتمے کی توقع کر رہا ہوں"

"بجا ہے تو کب حضور؟"

"آسٹن! میں نہیں کہہ سکتا، شاید شام سے قبل"

"بہت اچھا حضور"

ینہ دہن آسٹن نے سلام کیا، اور رخصت ہو گیا - پے لنجر نے ایک سگرٹ جلایا اور اپنی کرسی اپنی اہلیہ کے قریب کر کے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور کہنے لگے

"جانِ من! تم کو معلوم ہے کہ اب صورتِ حالات کیا ہے - میں نے اپنے ان احباب کو سب کچھ سمجھا دیا ہے - تمہیں ڈر تو نہیں لگتا - کیوں؟"

"اس میں تکلیف تو نہ ہو گی!"

"نہیں تو، بس ایسی ہی جیسے دندان ساز کی خندہ انگیز گیس سے ہوتی ہے جب کبھی تم نے وہ گیس سونگھی - تم گویا عملاً مر چکیں"

"لیکن وہ تو بڑی لطف کی چیز ہے"

"ممکن ہے کہ موت بھی ایسی ہی ہو - بدن کی فرسودہ مشین اپنے اثر کو محفوظ نہیں رکھ سکتی - لیکن ہم جانتے ہیں - کہ خواب یا غفلت میں کیسی ذہنی لذت ہے - ممکن ہے کہ فطرت کی جانب سے ایک خوشنما دروازہ تیار رہو - اور اس پر بھی جالیدار اور چمکتے پردے پڑے ہوں - تاکہ ہماری متحیر روحیں اس زندگی میں داخل ہو سکیں - جب کبھی میں نے اصلیت کی تلاش کی ہے میں نے حکمت و رافت اس کے اندر پائی ہے - اور اگر خوف زدہ انسان کو رحمت کی کبھی ضرورت ہوتی ہے تو وہ وہی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ ایک

[…]لی نے دوسری زندگی کا دشوار گذار راستہ طے کرتا ہی، نہیں سمرلی!
میں آپ کی مادہ پرستی کا قائل نہیں کیونکہ کم از کم میں اتنی بڑی چیز ہوں کہ میرا
انجام محض طبعی اجزا یعنی ایک پیکٹ نمک اور تین ڈول پانی پر نہیں ہو سکتا
دیکھو، دیکھو۔ اور اب وہ سر پر دو ہتڑ مارنے لگے۔ "ایک ایسی چیز ہے
جو مادہ کو استعمال کرتی ہی لیکن خود مادی نہیں ہی۔ ایسی چیز جو موت کو
فنا کر سکتی ہی لیکن جس پر خود فنا کبھی نہیں طاری ہوتی!

"موت کا ذکر آیا تو میں کہونگا" لارڈ جان نے کہا "کہ میں ایک عیسائی
ہوں لیکن مجھے معلوم ہوتا ہی کہ ہمارے آبا و اجداد جو اپنی قبروں میں تیر کمان اور
نیزوں کے ساتھ دفن کئے جاتے تھے تو یہ بالکل ایک فطرتی بات تھی کہ گویا وہ
ایسی ہی زندگی بسر کریں گے جیسی کہ اب تک بسر کی تھی، میں سمجھتا ہوں" اب انہوں
نے ذرا شرما کر میز کے چاروں طرف ایک نظر دوڑائی "کہ شاید مجھے بھی یہ زیادہ
اچھا معلوم ہو گا اگر میرے ساتھ بھی میری ۴۵۰، نمبر والی بندوق اور ریفل
اور چند کارتوس دفن کئے جائیں۔ بیشک یہ ایک احمقانہ خیال ہی لیکن اس
وقت یہی خیال ہی۔ کہئے پروفیسر صاحب! آپ کو یہ خیال کیسا معلوم ہوتا ہی؟"

"ہوں!" سمرلی نے کہا "چونکہ آپ میری رائے دریافت کرتے ہیں۔ تو
میں کہونگا کہ اس کے معنی تو عہدِ حجری یا اس کے پیشتر کے عہد کی طرف
رجعتِ قہقری ہوئے میں خود بیسویں صدی کا آدمی ہوں اور ایک معقول مہذب
آدمی کی طرح مرنا چاہتا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ لوگوں سے زیادہ مجھے
مرنے کا خوف ہی یا نہیں۔ کیونکہ میں ایک بڈھا آدمی ہوں۔ اور چاہی جو کچھ

ہو۔ میری عمر اب کچھ زیادہ نہیں رہی ہے لیکن میری طبیعت اس سے ابا کرتی ہے کہ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے بکری کی طرح قصاب کا منتظر بیٹھا رہوں۔ ہاں تو چے لنجر صاحب! کیا آپ کو اسکا قطعی یقین ہے کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے؟"

"بچانے کیلئے! ہاں کچھ نہیں" چے لنجر نے کہا "لیکن اپنی زندگی کو چند گھنٹے بڑھا لیجانا تاکہ مبتلا ہونے سے پہلے ہم اس سانحہ عظیم کے انجام کو دیکھ سکیں یہ ممکن ہے کہ میری طاقت کے اندر ہو۔ میں نے چند تدابیر اختیار کی ہیں۔۔۔"

"آکسیجن؟"

"بالکل ٹھیک۔ ہاں! آکسیجن"

"لیکن اثیر کی سمیت کے مقابلے میں آکسیجن کیا کام دیگی۔ جو فرق کسی ڈھیلے اور گیس میں ہے ویسا ہی آکسیجن اور اثیر میں سمجھنا چاہیئے، یہ دونوں مادے کی مختلف سلحیں ہیں یہ ایک دوسرے سے متصادم نہیں ہو سکتیں نہیں چے لنجر صاحب! صحیح صحیح بتلایئے کیا واقعی آپ اس تدبیر کے حامی ہیں؟"

"میرے مہربان ہمرلی صاحب! یہ اثیری سمیت یقیناً مادی اثرات سے متاثر ہوتی ہے جسطرح یہ دبا پھیلی ہے اور جس انداز سے یہ پھیلی ہے اس سے ہم کو یہ پتہ چلتا ہے ہم اسکی توقع نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن ہے یہ امر واقعہ۔ پس میری یہ قطعی رائے ہے کہ آکسیجن جیسی گیس، جو جسم کی حرارت غریزی اور طاقت مقاومت کو بڑھاتی ہے۔ وہ، جس چیز کو آپ دھتورہ کہتے ہیں۔ اس کے عمل میں تعویق پیدا کرنے کیلئے بہت موزوں معلوم ہوتی ہے ممکن ہے کہ میں غلطی پر ہوں۔ لیکن مجھے اپنے استدلال کی صحت پر کامل اعتماد ہے۔

"خیر" لارڈ جان نے کہا "اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہم بوتل سے دودھ پیتے بچوں کی طرح ان نلیوں کو استعمال کریں، تو بندہ تو یہ کرتا نہیں"

"اس کی کوئی ضرورت نہ ہوگی" چانسلر نے جواب دیا۔ "ہم نے سب انتظامات کر لئے ہیں۔ اس کیلئے آپ کو میری اہلیہ کا ممنون ہونا چاہیئے۔ یعنی یہ کہ انکی جلوگاہ جہاں تک ممکن ہو سکا ہوا بند کر دیگئی ہے۔ ٹاٹ اور روغنی کاغذ۔۔۔"

"پناہ بخدا۔ چانسلر صاحب کیا آپ کا یہ مطلب ہے، کہ آپ روغنی کاغذ سے اثیر کو روک سکتے ہیں؟"

"مہربان من! آپ اس نکتہ تک پہنچتے پہنچتے رہ گئے۔ یہ اسقدر تکلیف جو ہم نے اٹھائی۔ تو وہ اثیر کو روکنے کیلئے نہ تھی بلکہ آکسیجن کو اندر رکھنا مقصود ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر ہماری یہ فضا ایک خاص نقطہ تک برآکسائی[1] رہے تو ہم اپنے حواس قایم رکھ سکتے ہیں۔ میرے پاس گیس کے دو پیپے تھے۔ اور تین آپ لوگ لے آئے۔ اسپر بھی یہ بہت نہوئے۔ تاہم نہونے سے بہتر ہے"

"یہ کب تک کام دیں گے؟"

"مجھے مطلق علم نہیں۔ ہم اسوقت تک ان کو نہ کھولینگے جبتک ہماری حالت ناقابل برداشت نہ ہو جائے۔ اسوقت حسب ضرورت ہم گیس تھوڑی تھوڑی نکالینگے۔ ممکن ہے کہ اس سے ہم کو چند گھنٹے ملیں یا چند دن ملجائیں کہ ہم ایک جھلسی ہوئی دنیا کو دیکھ سکیں۔ خود ہمارا انجام اسوقت تک رکا

[1] یعنی جس میں آکسیجن کی مقدار زیادہ رہے۔ ۱۲

رہیگا - اور غالباً ہم پانچوں ہی کو یہ عجیب و غریب تجربہ ہوگا - کہ ملک عدم
کا سفر سب سے بعد میں ہم ہی کرینگے - اب ذرا پیپوں میں تو میری مدد کیجئے
مجھے تو اب یہ فضا بہت کچھ تکلیف دہ معلوم ہونے لگی ہے "

تیسرا باب

غرق

کیا ہی اچھا ہوتا اگر یہ خبر صحیح ہوتی

جس کمرہ کی قسمت میں ہمارے نہ بھولنے والے تجربہ کا منظر بننا مقدر
تھا وہ ایک دلکش زنانہ خلوتگاہ تھا کوئی پندرہ یا سولہ فٹ مربع تھا - اس کے
ایک کنارے پر سرخ مخمل کا پردہ پڑا تھا - جس کے اس طرف پروفیسر صاحب
کا لباس خانہ تھا - اور اس کے اسطرف ایک بڑی خوابگاہ تھی وہ پردہ آج
بھی پڑا ہوا تھا - لیکن ہمارے تجربہ کی اغراض کیلئے خلوتگاہ اور لباس خانہ دونوں
گویا ایک ہی کمرہ تھے، ایک دروازہ اور ایک کھڑکی روغنی کاغذ سے بند کر
دیئے گئے تھے - گویا عملاً انکا تیغہ کر دیا گیا تھا - دوسرے دروازے کے اوپر
جو زینے پر کھلتا تھا - ایک روشندان تھا جس میں رسی بندھی ہوئی تھی - بڑی
شدید ضرورت کے وقت اس رسی کو کھینچکر اس روشندان کو کھول سکتے تھے -
ہر کونے میں ایک ایک ناند تھی جس میں بڑی بڑی جھاڑیاں تھیں -
جب پانچوں لوہے کے پیپے برابر دیوار کے پاس رکھ دیئے گئے تو چیلنجر

نے چاروں طرف ایک نگاہ ڈالی اور کہنے لگے :-

" اپنی آکسیجن کو بلا ضرورت ضائع کئے بغیر کاربن ڈائی آکسائڈ کی کثیر مقدار کو دور کرنا ایک نازک اور اہم مسئلہ ہے اگر مجھے تیاری کا وقت زیادہ ملتا تو اپنے ذہن کی تمام قوت اس مسئلہ کے حل پر مرکوز کر دیتا - لیکن چونکہ ایسا نہیں ہو سکا اسلئے ہم سے جتنا بھی ہو سکے اتنا ہی کرنا چاہیئے ، یہ جھاڑیاں کچھ نہ کچھ کام دینگی - آکسیجن کے دو پیپے ذرا سے اشارے میں کھولے جانے کیلئے تیار ہیں اسلئے ہم پر بلا بےخبری میں نہیں آسکتی - تاہم کمرے کی زیادہ دور نہیں جانا چاہیئے - کیونکہ ممکن ہے بلا ناگہانی اور شدید ہو "

ایک کھڑکی اور بھی جو ذرا چوڑی اور نیچی تھی - اور جو ایک چھجے پر کھلتی تھی اسکے سامنے کا منظر وہی تھا - جسکی تعریف ہم مطالعہ خانہ میں بیٹھکر کر چکے تھے میں نے باہر دیکھا تو مجھے کہیں بھی ابتری کی کوئی علامت معلوم ہوئی - میری آنکھوں کے نیچے ایک سڑک تھی جو پہاڑی کے پہلو پر مڑ گئی تھی - پہاڑی پر اسٹیشن سے آتی ایک بہل چڑھ رہی تھی جو قبل تاریخی عہد کی ایک یادگار تھی اور جو اب بھی ہمارے بعض دیہاتوں ہی میں پائی جاتی ہے - اس سے نیچے ایک انّا دکھائی دی - جو ایک ہاتھ سے ایک بچہ گاڑی چلا رہی تھی - دوسرے ہاتھ سے ایک بچہ کو پکڑے ہوئے تھی - جھونپڑوں سے جو نیلا نیلا دھواں نکل رہا تھا اس سے وہ تمام منظر زار منظم اور تسکین دہ معلوم ہوتا تھا - نہ تو اس گنبدِ نیلگوں میں اور نہ اس اُجلی زمین پر کہیں کوئی علامت اس بلائے عظیم کی معلوم ہوتی تھی - کھیتوں میں فصل کاٹنے والے پھر جا پہنچے اور گالف باز

دو دو اور چار چار کر کے اب بھی حلقوں کے گرد پھر رہے تھے، میرے دماغ میں خود ایک عجیب تموج معلوم ہوتا تھا اور میرے پٹھے اتنے تنے ہوئے تھے کہ مجھے ان لوگوں کی بیحسی پر بہت تعجب ہوا۔ چنانچہ ان حلقوں کی طرف اشارہ کر کے میں نے کہا :-

"ان لوگوں پر تو کوئی مضر اثرات معلوم نہیں ہوتے"

"آپ کبھی گالف کھیلے ہیں؟" لارڈ جان نے پوچھا۔

"نہیں۔ میں تو نہیں کھیلا"

"تو جناب آپ جب گالف کھیلنا سیکھ لینگے، اسوقت آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک مرتبہ چکر شروع کر دینے کے بعد ایک شاطر گالف باز کو اس سے باز رکھنا بہت ہی دشوار امر ہے لیجئے وہ ٹیلیفون کی گھنٹی پھر بجی"

کھانے کے درمیان اور بعد میں بھی وقتاً فوقتاً وہ گھنٹی پروفیسر صاحب کو بلاتی رہتی تھی۔ اور ان تک جو خبر پہنچتی وہ ہم کو چند مختصر سے جملوں میں سنا دیتے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی ہولناک خبریں کبھی حوالۂ قلم نہیں ہوئیں یہ بلائے بے درماں جنوب سے چڑھتی ہوئی موجِ فنا کی طرح بڑھتی چلی آتی تھی، مصر پر یہ سمیت پوری طرح پھیل چکی تھی۔ اور اب کل مصر بالکل بیہوش تھا۔ اسپین اور پرتگال میں ایک زبردست جوش اٹھا جسمیں مادری پرست اور نراجی خوب لڑے، لیکن اب وہ بھی بالکل خاموش تھے، جنوبی امریکہ سے بحری تار ہی آنا بند ہو گئے۔ شمالی امریکہ میں، جنوبی ریاستوں میں خوب نسلی ہنگامے ہوئے اور بالآخر وہ بھی اس سمیت سے متاثر ہو گئیں، میری لینڈ

کے شمال میں یہ اثر نمایاں نہ تھا اور کناڈا میں تو ابھی پہنچا ہی نہ تھا بلجیم ہالینڈ، اور ڈنمارک باری باری سے متاثر ہوئے۔ علم کے مرکزوں، کیمیا دانوں، مشہور عالم ڈاکٹروں کے پاس مایوسانہ خبریں آتی تھیں اور ان کی رائے طلب کیجاتی تھی۔ ہیئت دانوں پر بھی سوالات کی یورش تھی۔ لیکن ہو کچھ نہیں سکتا تھا، یہ بلا عالمگیر تھی اور ہمارے انسانی علم یا قدرت کے باہر تھی، یہ موت تھی بغیر تکلیف کے لیکن یقینی۔ اور پھر جوان، بوڑھے کمزور، توانا، امیر، غریب کسی کی تمیز نہ تھی۔ کسی کیلئے بھی کوئی مفر نہ تھا۔ یہ وہ خبریں تھیں جو پریشان اور مضطر پیاموں کے ذریعہ ٹیلیفون نے ہم تک پہنچائیں۔ بڑے بڑے شہروں کو اپنے انجام کا علم اب ہو گیا تھا۔ اور جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا وہ وقار اور استرضا کے ساتھ اسکو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو رہے تھے۔ لیکن ہمارے سامنے گالف بازاور مزدور اس طرح اچھل کود رہے تھے۔ جیسے کوئی بکری ذبح سے پہلے اچھلے کودے مجھے تو اس پر نہایت حیرت تھی۔ لیکن ہاں اُن کو معلوم بھی کیسے ہو سکتا تھا۔ وہ بلا تو ہم پر یک قدم آپہنچی تھی۔ صبح کے اخباروں میں تو کوئی خبر خطرہ سے آگاہ کرنے والی نہ تھی۔ اور اب سہ پہر کے تین بجے کا عمل تھا۔ لیکن اب جو ہم نے نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ کسی نے کچھ خبر پہنچائی۔ کیونکہ اب کھیت کاٹنے والے کھیتوں سے بھاگ رہے تھے بعض گالف باز اپنے انجمن خانہ کی طرف لوٹ رہے تھے۔ وہ اسطرح بھاگ رہے تھے۔ کہ گویا بارش سے بچ رہے ہیں۔ ان کے

گانفی[1] ان کے پیچھے پیچھے تھی۔ باقی اور جو تھے وہ بدستور کھیل میں مصروف تھے وہ آنا بھی پلٹ چکی تھی۔ اور اپنی بچّہ گاڑی تیزی سی پہاڑی پر چلا رہی تھی میں نے دیکھا کہ اس کا ہاتھ ماتھے پر رکھا ہُوا تھا۔ گاڑی رک گئی تھی اور تھکا ماندہ گھوڑا گردن ڈالے سُستا رہا تھا، اوپر دیکھا تو مطلع بالکل صاف نظر آیا صرف کہیں کہیں روئی کے گالوں کیطرح لکہ ہائے ابر دکھائی دیئے۔ اگر واقعی نسل انسانی کو آج ختم ہونا ہی تو اس میں شک نہیں کہ بستر مرگ، بہت شاندار تھا۔ فطرت کی یہی خوشنمائی اور دلفریبی تھی جس کی وجہ سے یہ ہولناک اور عالمگیر تباہی اور بھی ہیبتناک اور قابل افسوس معلوم ہوتی تھی۔ معلوم ہُوا کہ یہ دُنیا واقعی ایک جنّت تھی جس سی ہم یوں عاجلانہ اور بیرحمانہ نکالے گئے۔

لیکن میں ذکر کر چکا ہوں کہ ٹیلیفون کی گھنٹی ایک مرتبہ پھر بجی۔ یکبارگی چے لنجر کی زبردست آواز ہال سے گونجی

"مسٹر مے لون! آپ کی ضرورت ہی"

میں لپک کے ٹیلیفون تک پہنچا۔ لندن سے میک آرڈل کی آواز آرہی تھی۔ وہ اپنے مانوس لہجہ میں چلانے لگے :-

"آپ ہیں مسٹر مے لون! اجی جناب، یہاں لندن میں تو حشر برپا ہوگیا خدا کیلئے پروفیسر چے لنجر سے دریافت کیجئے"

"وہ کوئی تدبیر نہیں بتا سکتے" میں نے جواب دیا "ان کی رائے میں یہ بلا عالمگیر اور یقینی ہی۔ ہمارے پاس یہاں تھوڑی سی آکسیجن ہی لیکن وہ

[1] یعنی وہ چھوکرے جو گیند وغیرہ اٹھاتے ہیں۔

ہمارے انجام کو صرف چند گھنٹوں کیلئے روک سکتی ہے"

"آکیجن!" درد بھری آواز نے کہا "اب تو لانے کا بھی وقت نہیں رہا، جب سے آپ صبح سے گئے ہیں۔ اسوقت سے دفتر تو شیطان خانہ بنا ہوا ہے۔ آدھا عملہ تو اب بیہوش ہے۔ مجھے بھی گرانی محسوس ہو رہی ہے۔ اپنی کھڑکی سے میں لوگوں کی لاشوں پر لاشیں خلیٹ اسٹریٹ میں پڑی دیکھ رہا ہوں۔ ساری آمد و رفت بند ہے۔ تازہ ترین تار جو آئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے، کہ ساری دنیا ـــــ"

ان کی آواز کمزور پڑتی جاتی تھی اور اب یکایک رک گئی، ایک لمحہ بعد ٹیلیفون سے مجھ گرنے کی سی آواز آئی جیسے ان کا سر میز پر گر پڑا ہو، چنانچہ میں نے چلا کر پوچھا

"سر میک آرڈل! سر میک آرڈل!!"

"صدائے برنخواست" میں نے ٹیلیفون کا سمعدان رکھا۔ تو میں نے سمجھ لیا کہ اب پھر کبھی ان کی آواز سنائی نہ دیگی۔

اسی وقت جیسے ہی کہ میں نے ایک قدم پیچھے ہٹایا۔ وہ بلا ہم پر بھی مسلط ہو گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہم کندھوں کندھوں تک پانی میں نہا رہے ہیں۔ کہ یکایک ایک زبردست موج آئی اور اس نے ہم کو غرق کر دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے میرا گلا پکڑ لیا ہے اور آہستہ آہستہ زندگی کا خاتمہ کر رہا ہے۔ مجھے سینے پر بڑا بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ سر بندھا معلوم ہوتا تھا۔ کان زور سے بجنے لگے تھے۔ اور آنکھوں کے سامنے

چمک سی پیدا ہوتی تھی - میں لڑکھڑا کے زینہ کے کٹہرے پر گرا - اسی وقت زخمی بھینسے کیطرح سانس لیتے اور بھاگتے ہوئے چیلنجر صاحب میری پاس سے گزرے - اسوقت اُنکی صورت بہت مہیب تھی - چہرہ سرخ تھا آنکھیں دبی ہوئی اور بال کھڑے ہوئے ان کی اہلیہ بظاہر بیہوش ان کے کندھوں پر لٹکی ہوئی تھیں اور وہ افتاں وخیزاں زینے پر چڑھتے چلے جاتے تھے اور محض اپنی قوّت ارادی کی بدولت خود کو اور اپنی اہلیہ کو اس مسموم فضا سے اس عارضی جائے پناہ تک لئے جاتے تھے انکی یہ سعی دیکھکر میں زینوں پر کٹہرے کو پکڑتا ، لڑھکتا چڑھا چلا جاتا تھا - یہانتک کہ اوپر پہنچکر میں منہ کے بل بیہوش گر پڑا - لارڈ جان کی فولادی انگلیاں میرے کوٹ کے کالر کو پکڑے ہوئے تھیں اور ایک لمحہ بعد فرش پر لٹا دیا گیا - میں نہ تو بول سکتا تھا اور نہ حرکت کر سکتا تھا - وہ خاتون میرے برابر پڑی ہوئی تھیں اور سمرلی کھڑکی کے پاس کرسی پر گٹھڑی بنی پڑی تھے - انکا کالر ان کے گھٹنوں پر آرہا تھا - خواب کیطرح میں نے دیکھا کہ چیلنجر ایک زبردست کیڑے کیطرح رینگ رہے ہیں - لیکن ایک لمحہ بعد مجھے نکلتی ہوئی آکسیجن کی آواز سنائی دی چیلنجر نے دو تین بڑی زبردست سانسیں لیں - انکی پھیپھڑوں سی گیس کے اندر جانے پر خوب زور زور سے آواز نکل رہی تھی بالآخر وہ خوش ہو کر چلّانے لگے -

" دیکھو اس بے نے خوب کام دیا - میرا استدلال حق بجانب تھا "

اب وہ پھر چاق وچوبند ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے - ایک نلی لیکر وہ

جھپٹ کے اپنی اہلیہ کے پاس گئے، اور ان کے منہ کے پاس لیجا کر کھولدی
تھوڑی دیر میں وہ کسمسائیں، حرکت کی اور پھر اٹھ بیٹھیں۔ اس کے بعد وہ میرے
پاس آئے، اور پھر میں نے اپنی شریانوں میں زندگی نفوذ کرتے محسوس
کی۔ میں تو یہ سمجھ چکا تھا۔ کہ یہ محض عارضی وقفہ ہے۔ تاہم اگرچہ اس کی قدر و
قیمت سے ہم نے بے پروائی برتی، لیکن اس زندگی کی ہر ساعت اب بے بہا
معلوم ہونے لگی۔ مجھے اس سے پیشتر ایسی خوشی کبھی نہیں ہوئی تھی جیسی کہ اس
دوبارہ زندگی پانے پر۔ میرے سینے سے بوجھ اتر گیا، سر ہلکا ہو گیا۔ اور مجھ پر
سکون اور اطمینان کی راحت بخش کیفیت طاری ہو گئی۔ میں پڑا پڑا دیکھا کیا
کہ سمرلی بھی اسی اکسیر سے زندہ ہوئے۔ اور اب لارڈ جان کی باری
آئی۔ وہ اب اٹھ کھڑے ہوئے اور میرے اٹھانے کیلئے ہاتھ بڑھایا
ادھر چے لنجر نے اپنی اہلیہ کو اٹھایا اور کوچ پر بٹھا دیا۔ وہ انکا ہاتھ پکڑ
کر کہنے لگیں :-

"پیارے جارج! مجھے افسوس ہے کہ تم نے مجھے دوبارہ زندہ کیا۔
واقعی بقول تمہارے موت کے دروازے پر خوبصورت چمکدار پردے پڑے
ہوئے ہیں۔ کیونکہ جب ایک مرتبہ وہ گھٹن جاتی رہی تو پھر وہ سکون پیدا
ہوا کہ بیان سے باہر ہے۔ اب تم مجھے دوبارہ کیوں گھسیٹ لائے"

"کیونکہ میری یہ تمنا ہے کہ اس سفر کو ہم دونوں طے کریں۔ ہم اتنے
برسوں سے ایک دوسرے کیساتھ رہے ہیں۔ اور اگر ساعتِ عظیم
پر ہمارا ساتھ چھوٹ جائے، تو بڑے صدمہ کی بات ہوگی"

ان کی اس نرم آواز میں ایک لمحہ بھر کیلئے مجھے ایک نئے چلنجر کی جھلک دکھائی دی جو اس شیخی باز، ہرزہ گو اور مدغ شخص سے بالکل مختلف تھا جس نے اپنے ابنائے عصر کو متحیر اور ناراض کر رکھا تھا۔ اب موت کے سایہ میں اصلی چلنجر نمودار ہوا یعنی وہ چلنجر جس نے ایک عورت کے دل پر قبضہ کر رکھا تھا۔ دفعتہً ان کی یہ کیفیت بدلگئی اور وہ پھر ہمارے زبردست قائد بن گئے۔ ذرا تعلی کے انداز میں اور خوش ہو کر کہنے لگے۔

"بنی نوع انسان میں سے صرف میں ہی اس بلائے عظیم کو سمجھ سکا اور اسکی پیشین گوئی کر سکا۔ میرے مہربان سمرلی! مجھے قوی امید ہے کہ اب طیف کے خطوط کے اندر اس کے متعلق آپ کے جملہ شکوک رفع ہو گئے ہونگے اور اب آپ میرے ٹائمز والے خط کو بے بنیاد قرار نہ دینگے۔"

اس مرتبہ تو ہمارے جھگڑالو ساتھی اس للکار پر خاموش رہے وہ بیٹھے ہوئے ہانپ رہے تھے اور اپنے لمبے اور پتلے اعضاء ادھر ادھر پھیلا رہے تھے۔ تاکہ اسکا یقین ہو جائے کہ ابھی فی الواقع اس سیارے پر موجود ہیں۔ چلنجر بڑھکے آکسیجن کے پیپے کے پاس گئے اور وہ جو زور سے آواز نکل رہی تھی اب دھیمی پڑ گئی۔ اب وہ کہنے لگے:۔

"گیس کی رسد کو ہمیں قابو میں رکھنا چاہیئے۔ اس کمرے کی فضا اب بہت برآک گئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہم میں سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں محسوس ہو رہی ہے۔ ہم تجربہ کر کے ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ اس سمیت کو

دور کرنے کیلئے ہوا میں کتنی گیس چھوڑنی چاہیئے۔ دیکھیں یہ بات کیسی رہتی ہے"
کم و بیش پانچ منٹ تک ہم بالکل خاموش اپنی تنفس کو دیکھتے رہے
مجھے یہ محسوس ہو چلا تھا کہ پھر پیشانی پر تنگی آچلی ہے۔ ادھر مسز چے لنجر
چلائیں کہ انہیں غش آیا۔ ان کے شوہر نے اور گیس چھوڑ دی۔ اور
کہنے لگے۔

"زمانۂ قبل العلم میں ہر آبدوز کشتی میں ایک سفید چوہا ضرور ہوتا تھا کیونکہ
اسکے اعضا فضا کی سمیت کو ملاحوں سے پہلے محسوس کر لیتے تھے۔ جان من!
تم گویا ہمارے لئے بمنزلہ اسی چوہے کے ہو، اب میں نے گیس زیادہ کر
دی ہے۔ تو تم بہتر ہو گئیں"

"ہاں، میں بہتر ہوں"

"غالباً ہم صحیح آمیزی پر پہنچ گئے۔ جب ہم کو صحت کے ساتھ معلوم
ہو جائیگا کہ کم سے کم کتنی مقدار ضروری ہے تو پھر ہم یہ اندازہ لگا سکیں گے
کہ یہ مقدار کب تک کام دیگی۔ لیکن بدقسمتی سے اپنے کو دوبارہ زندہ کرتے
وقت ہم نے پہلے پیپہ کی بہت سی گیس ختم کر دی"

"تو کیا حرج ہوا؟" لارڈ جان نے کہا جو کھڑکی کے پاس جیب
میں ہاتھ ڈالے کھڑے تھے "اگر ہم کو جانا ہی ہے تو اس اہتمام سے
کیا فائدہ؟ اب تو غالباً ہمارے لئے کوئی امید باقی نہیں رہی"

چے لنجر ہنسے اور سر ہلایا۔

"ہاں تو کیا آپ یہ نہیں دیکھتے کہ دھکا دیئے جانے کے مقابلہ میں

خودکودنے میں زیادہ وقار ہی؟ اگر یوں ہی آپ کی مرضی ہے تو چلئے دُعا مانگئے گیس بند کر دیجئے اور کھڑکی کھولدیجئے "

"ہاں کیوں نہیں" خاتون نے بے جگری سے کہا۔ "بے شک جارج! لارڈ جان ٹھیک کہتے ہیں اور اسی میں بہتری معلوم ہوتی ہے"

"مجھے اسپر سخت اعتراض ہی" سمرلی نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "جب ہم کو مرنا ہی ہے تو بیشک ہم کو مرجانا چاہیئے۔ لیکن عمداً موت کا اہتمام کرنا میرے نزدیک حماقت اور فضول سی بات ہی"

"ہمارے نوجوان دوست کی کیا رائے ہی؟" چے لنجر نے پوچھا

"میری رائے ہی کہ ہم اسے انجام تک پہنچائیں"

"میری بھی یہی رائے ہی"

"تو جارج! اگر تم بھی یہی کہتے ہو تو میری بھی یہی رائے ہی" خاتون نے کہا

"اونہہ! میں نے محض ایک دلیل کے طور پر کہا تھا" لارڈ جان نے کہا "اگر آپ سب لوگ اسکو انجام تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ تو میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ ہی یہ بہت دلچسپ۔ اسمیں کوئی شک نہیں۔ مجھے بھی اپنی عمر میں بہت سی حادثوں سی سابقہ پڑا اور دوسروں کیطرح بہت سے موقع ہیجان اور تہیج کے آئے، لیکن میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ آخری موقع ہی"

"تسلسل حیات کو مان لیں تو" چے لنجر نے کہا "دعوی بلادلیل ہی"

سمرلی نے بات کاٹکر کہا۔

چے لنجر نے اس کا جواب محض خاموشی سے دیا، اور پھر اپنے تحکمانہ لہجہ میں کہنے لگے:-

"تسلسل حیات کو مان لیں تو ہم میں سے کوئی یہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ عالم ارواح سے عالم اجسام کے دیکھنے کا موقع ملے یا نہ ملے بطی الفہم سے بطی الفہم شخص پر بھی یہ روشن ہوگا اب انہوں نے سمرلی پر ایک نظر ڈالی کہ جبتک ہم خود مادی ہیں اسوقت تک ہم جملہ مادی مظاہر کے متعلق کوئی مشاہدہ کر سکتے اور کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ پس ان ہی چند گھنٹوں تک زندہ رہ کر ہم کو یہ امید ہو سکتی ہے کہ آنیوالی زندگی میں ہم اس دنیا بلکہ کل کائنات کے عجیب ترین واقعہ کی یاد اپنے ساتھ لیجا سکینگے۔ میرے نزدیک تو ایسے محیر العقول تجربے میں سے ایک دقیقہ بھی کم ہو جانا نہایت افسوسناک ہوگا۔"

"میں بھی بعینہ یہی رائے رکھتا ہوں۔"

"بغیر اختلاف کے منظور" لارڈ جان نے کہا "وہ آپ کا موٹر بان تو بیچارہ نیچے صحن میں اپنا آخری سفر ختم کر چکا، اب باہر نکل کے اس کو یہاں لانے سے کیا فائدہ"

"حماقت محض ہے" سمرلی نے کہا

"ہاں میرے نزدیک بھی حماقت ہوگی" لارڈ جان نے کہا "اس سے اسکو تو مدد پہنچیگی نہیں۔ البتہ ہماری گیس ساری گھر میں پھیل جائیگی اگرچہ

ہم زندہ واپس بھی آسکیں۔ میری بات سنئے تو درختوں کے نیچے ان چھوٹی چھوٹی چڑیوں کو دیکھئے"

ہم نے اس لمبی اور نیچی کھڑکی کے پاس چار کرسیاں گھسیٹیں۔ وہ خاتون آنکھ بند کئے ابھی تک کوچ پر پڑی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ یہ عجیب اور انوکھا خیال میرے ذہن میں پیدا ہوا۔ ممکن ہے کہ جس ہوا میں ہم سانس لے رہے تھے۔ اسکی غلاظت نے یہ وہم پیدا کیا ہو، کہ ہم دنیا کے ڈراما کا آخری ایکٹ دیکھنے کیلئے تماشا گاہ کی اگلی چار نشستوں پر بیٹھے ہیں۔

ہمارے سامنے ہی، ہماری آنکھوں کے نیچے وہ چھوٹا صحن تھا جس میں آدھی صاف موٹر کھڑی تھی۔ موٹر بان آسٹن کو آخری نوٹس مل چکا تھا۔ کیونکہ وہ پہیہ کے پاس چاروں شانے چت پڑا تھا۔ اسکی پیشانی پر بڑا داغ تھا، جو پائیدان یا پہیئے کے پنکھے پر گرنے کی وجہ سے پڑ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ابتک اس چرمی نل کی ٹونٹی تھی۔ جس سے وہ اپنی مشین صاف کر رہا تھا۔ صحن کے کونے میں دو چھوٹے چھوٹے درخت تھے۔ جن کے نیچے گچھے دار پروں کے گچھے سے پڑے تھے جنمیں سے ننھے ننھے پیر نکلے ہوئے تھے۔ موت کی تلوار نے اپنی کاٹ میں چھوٹے بڑے کسی کو نہ چھوڑا تھا۔

صحن کی دیوار کے اس پار ہم نے وہ خمدار سڑک دیکھی جو اسٹیشن تک جاتی تھی۔ جن کھیت کاٹنے والوں کو ہم نے کھیتوں سے بھاگتے دیکھا تھا۔ وہ تتر بتر ایک دوسرے پر پڑے ہوئے تھے۔ اس کے آگے وہ دایہ پڑی ہوئی تھی، جسکے سر اور شانے گھاس دار سڑک پر پڑے ہوئے تھے، اس نے گاڑی

میں سے بچہ کو نکالکر ہاتھوں میں لیا ہی تھا۔ کہ وہ بیجان بنڈل بن کر رہ گیا۔ اس کے پیچھے ہی سڑک پر ایک چھوٹا سا داغ نظر آتا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ بچہ کہاں پڑا ہی۔ ہم سے اور نزدیک تر گاڑی کا وہ مردہ گھوڑا گاڑی کے ڈنڈوں میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ بڈھا گاڑیبان کوچ بکس پر اسطرح لٹکا ہوا تھا۔ کہ گویا بھوچ کا گ ہی۔ کھڑکی سے ہم کو گاڑی کے اندر ایک نوجوان بیٹھا معلوم ہوتا تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور اسکا ہاتھ دستہ پر تھا گویا کہ وہ آخری وقت کو کودنے والا تھا۔ بیچ رستے پر گالف کے حلقے تھے جسطرح صبح کے وقت جگہ جگہ گالف باز نظر آتے تھے اب بھی دکھائی دیتے تھے۔ لیکن اب گھاس پر بیجان پڑے ہوئے تھے۔ ایک سبزہ زار پر تو آٹھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں جہاں چار چار کی دو ٹولیاں مع اپنی گالفیوں کے آخیر تک کھیلتے رہے تھے۔ اس نیلگوں گنبد پر کوئی چڑیا اڑتی نہ دکھائی دیتی تھی۔ اور نہ ہمارے سامنے والے میدان پر کوئی آدمی یا جانور چلتا نظر آتا تھا۔ شام کے وقت سورج تو اپنی روشنی میدان پر ڈال رہا تھا لیکن عالمگیر موت کی خاموشی اور بے حرکتی اُس پر چھائی ہوئی تھی، وہ موت جس میں ہم اسقدر جلد شریک ہونیوالے تھے۔ فی الوقت کھڑکی کا وہ پتلا شیشہ جو مسموم اثیر کو دفع کرنیوالی زائد آکسیجن کو رد کے ہوئے تھا، ہم کو اپنی نوع کے انجام سے بچائے ہوئے تھا۔ چند گھنٹوں کیلئے ایک شخص کے علم اور پیش بینی نے اس صحرائے فنا میں ہمارے نخلستانِ حیات کو بچا لیا تھا اور ہم کو عام مصیبت میں گرفتار ہونے سے روک لیا تھا۔ لیکن بالآخر ہماری گیس کم ہوتی جائیگی یہانتک کہ ہم بھی اس خوشرنگ خلوتخانہ کے

فرش پر پڑے سسکیاں لینگے اور اسطرح کُل نسل انسانی اور تمام حیاتِ ارضی کا پورا پورا خاتمہ ہوجائیگا۔ ایک عرصہ تک ہم پر جو کیفیت طاری تھی اس میں قال کی گنجائش نہ تھی اور ہم بیٹھے بربادیٔ عالم کا نقشہ دیکھتے رہے۔

بالآخر چانسلر نے جب درختوں پر سے دھواں اٹھتے دیکھا تو کہنے لگے "وہ دیکھئے ایک مکان میں آگ لگ گئی۔ میرے خیال میں ایسے مکان بہت سے ہونگے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ شہر کے شہر نذرِ آتش ہو جائینگے۔ کیونکہ آپ سوچئے تو، کہ کتنے آدمی ہاتھ میں روشنیاں لئے گرے ہوں گے، نفس جلنا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ کرہ ہوا میں آکسیجن کا تناسب طبعی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ نقص اثیر ہی میں واقع ہے۔ وہ دیکھئے کروبرا ہل پر اور آگ لگی۔ یہ گالف کا انجمن خانہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ دیکھئے گرجا کا گھڑیال گھنٹے بجا رہا ہے۔ یہ امر ہمارے فلسفی کیلئے بہت دلچسپ ہوگا کہ انسان کی بنائی ہوئی مصنوعات اپنے بنانیوالوں کے فنا ہونے پر بھی باقی رہیں۔"

"قسم خدا کی" لارڈ جان نے جوش میں کرسی سے اچھلکر کہا "وہ دیکھئے وہ دھواں کیسا ہے؟ وہ تو ریل معلوم ہوتی ہے"

ہم نے اسکی چیخ سنی اور تھوڑی دیر میں وہ تیزی کیساتھ ہمارے سامنے آگئی۔ اسکی رفتار اسوقت بہت ہی تیز معلوم ہوتی تھی۔ وہ کہاں سے آئی تھی اور کتنی دور چلی تھی، ہم اس کے دریافت کرنے سے قاصر تھے، کوئی معجزہ ہی ہوگا جو وہ اتنی دور بھی چلی ہوگی۔ لیکن اب ہم اس کے سفر کا ہولناک انجام بھی دیکھنے والے تھے۔ اس پٹڑی پر کوئلہ سے بھری ایک

مال گاڑی کھڑی تھی۔ جب ہم نے ڈاک گاڑی کو بھی اسی پٹڑی پر جاتے دیکھا تو ہم دم بخود رہ گئے۔ ٹکر بھی بلا کی ہوئی انجن اور گاڑیاں سب گڑبڑ ہو کر ٹوٹی لکڑیوں اور مڑے لوہے کے ٹکڑوں کی ایک پہاڑی سی بنگئی سرخ سرخ شعلوں کی لپٹیں نکلنے لگیں۔ یہاں تک کہ سب میں آگ لگ گئی اس ہیبتناک نظارہ سے مبہوت ہو کر ہم کوئی آدھ گھنٹہ تک بالکل خاموش بیٹھے رہے۔

آخر کار اپنے شوہر کے بازو پر سہارا دیکر مسز چے لنجر نے کہا "افسوس ان بیچاروں پر"

ان کے شوہر نے اطمینان دلانے کیلئے ہاتھ سہلا کر کہا "جانِ من! اس ریل پر جو مسافر تھے وہ ایسی ہی بے جان تھے۔ جیسے کہ کوئلے، جن سے ٹکر ہوئی، یا وہ کاربن جس میں وہ اب تبدیل ہو گئے ہیں۔ جب وکٹوریا سے یہ ریل چلی تھی تو اسپر زندہ سوار تھے، لیکن اپنے انجام کو پہنچنے سے بہت پہلے اس کے چلانیوالے اور اس میں بیٹھنے والے دونوں مر چکے تھے"

"دنیا بھر میں سب جگہ یہی ہو رہا ہوگا" میں نے کہا "سمندروں میں جہازوں کا خیال کیجئے کہ کسطرح ان میں سے بھاپ نکلتی ہوگی یہاں تک کہ ان کی بھٹیاں بالکل سرد ہو جائیں۔ یا وہ پوری قوت سے کسی ساحل سے ٹکرا جائیں۔ چلتے جہازوں کا بھی یہی حال ہوگا کہ وہ مردہ ملاحوں کو لئے بھٹکتے پھریں گے یہاں تک کہ انکا چوبینہ سڑ گل جائے اور ان کے جوڑ کھل جائیں شاید ایک صدی گزرنے پر بھی بحر اطلانتک پر یہ پرانی بہتی لکڑیاں ملیں"

"اور کوئلہ کی کانوں میں لوگوں کا کیا حال ہوگا" سمرلی نے غمگین ہوکر کہا
"اگر زمین پر ارضئین کا وجود دوبارہ ہو سکا تو کاربنی طبقوں میں انسان کے وجود کے متعلق ان کے عجیب وغریب نظریئے ہوں گے"

"مجھے ان چیزوں کے علم کا تو دعوے نہیں" لارڈ جان بولے "لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد زمین کرایہ پر 'خالی' ہوگی۔ جب ایک مرتبہ یہ نسلِ انسانی تباہ ہو جائیگی تو دوبارہ کیسے آباد ہوگی؟"

"دنیا تو پہلے بھی خالی تھی" چیلنجر نے متانت سے جواب دیا "ان قوانین کے ماتحت جنکا آغاز ہم سے بلند تر اور ہماری قدرت سے بالاتر ہے، دنیا آباد ہوئی تو دوبارہ اس امر کے وقوع میں کونسا امر مانع ہے؟"

"جناب چیلنجر صاحب! آپکا یہ مطلب نہیں ہو سکتا؟"

"جناب پروفیسر سمرلی صاحب! میری یہ عادت نہیں کہ جو کہوں وہ مطلب نہو۔ یہ بات تو معمولی سی ہے" اس کا کہنا تھا کہ داڑھی اٹھ گئی اور پلکیں جھک گئیں۔ چنانچہ سمرلی نے ترشی سے کہا

"اجی حضرت آپ ہمیشہ کے ضدی مزاج خودرائے واقع ہوئے ہیں اور ایسی حالت میں مرنا چاہتے ہیں"

"اور آپ جناب! ہمیشہ سے تخیل سے عاری اور تعرض کار رہے ہیں اور اب اس سے نکلنے کی امید بھی نہیں رہی"

"آپ کے سخت ترین نکتہ چین بھی واقعی آپ کو بے تخیل تو نہ بتائینگے" سمرلی نے جواب دیا

"کمال ہے" لارڈ جان نے کہا "یہ واقعی آپ ہی لوگوں کا کام ہے کہ آکسیجن کی آخری مقدار ایک دوسرے کو گالیاں دینے میں گزار دیں۔ اجی حضرت! ہمیں اس سے کیا کہ انسان واپس آئیگا یا نہیں۔ ہمارے زمانے میں تو ایسا ہونے سے رہا"

"آپ کے اس قول سے جناب! آپکا مبلغ علم بالکل نمایاں ہو جاتا ہے" چیلنجر نے ذرا جوش سے کہا "صحیح علمی دماغ کیلئے مکان و زمان کی کوئی قید نہیں۔ وہ اپنے لئے ایک رصد گاہ حال کی سرحد پر بنا لیتا ہے، جو غیر محدود ماضی کو غیر محدود مستقبل سے جدا کرتا ہے۔ اس مستحکم مقام سے وہ دماغ خروج کرتا ہے تو ازل سے ابد تک کی خبر لاتا ہے۔ رہی موت تو علمی دماغ آخری وقت تک بھی اپنی طبعی اور منتظم طریقہ کو ہاتھ سے نہیں دیتا اور اسی حالت میں جان دیتا ہے وہ اپنی طبعی تحلیل جیسی حقیر چیزوں کو ایسے ہی نظر انداز کر دیتا ہے جیسے عالم اجسام کی دیگر قیود کو۔ کیوں پروفیسر سمرلی صاحب درست ہے نا؟"

سمرلی نے طوعاً و کرہاً رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا "چند ترمیموں کے ساتھ مجھے بھی اتفاق ہے"

"تصوری علمی دماغ" چیلنجر نے بسلسلۂ سابق کہا "میں صیغۂ غائب استعمال کر رہا ہوں تاکہ خودستائی نہ معلوم ہو۔ ہاں تو تصوری علمی دماغ ایسا ہونا چاہئے کہ صاحب دماغ اگر ایک غبارے سے گزرے تو زمین پر پہنچنے تک وہ دماغ علم مجرد کا کوئی مسئلہ حل کر سکے۔ ایسے ہی زبردست

دماغ والوں کا کام ہے کہ وہ فاتحِ فطرت اور فہرمانِ صداقت بن سکیں"
"مجھے تو اسدفعہ فطرت ہی غالب نظر آتی ہے" لارڈ جان نے کھڑکی کے باہر دیکھکر کہا "آپ نے چند افتتاحیے دیکھے ہیں جن میں آپ لوگوں کا فطرت کو قابو میں لانے کا ذکر تھا۔ لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ وہی غالب ہے"

"یہ محض عارضی شکست ہے" چے لنجر نے بہت تیقن سے کہا "چند لاکھ برس، زمانہ کی گردش کے مقابلہ میں کیا ہیں؟ آپ دیکھتے ہیں کہ عالمِ نباتات بچ گیا ہے۔ دیکھئے اُس سال کے درخت کی پتیوں کو دیکھئے چڑیاں تو مر گئی ہیں لیکن درخت بدستور ہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ تالاب اور دلدلوں کی نباتات سے وقت معینہ پر وہ چھوٹے چھوٹے خوردبینی گھونگے پیدا ہوں گے جو اس جنبشِ حیات کے ہراول ہیں۔ جس کے ہم پانچوں نہایت غیر معمولی طریقہ پر عقب بنے ہوئے ہیں۔ ایک مرتبہ حیات کی پست ترین شکل قایم ہو جائے تو پھر بالآخر انسان کا ورود ایسا ہی یقینی ہو جائیگا جیسے آم کی تخم سے شاہ بلوط پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر ایک مرتبہ وہی قدیم دور قایم ہو جائے گا"

"لیکن زہر؟" میں نے پوچھا "کیا زہر زندگی کی کلی ہی کو مرجھا نہیں دیگا؟"

"زہر ممکن ہے کہ اثیر کا محض ایک طبقہ یا تہہ ہو جس زبردست بحر میں ہم اسوقت بہہ رہے ہیں اسکے مقابلے میں محض ایک دھارا ہو۔ یا دوسری ہی حالات قایم ہو جائیں اور حیات پھر انہیں حالات کی روادار ہو جائے

محض یہ امر کہ نسبتاً خون کا تھوڑا سا برآمد کیا جانا زہر کے روکنے کیلئے کافی ہے۔ اس بات کی دلیل ہے کہ حیات حیوانی کو ان حالات کے برداشت کرنے کیلئے کسی بڑے تغیر کی ضرورت نہ ہو گی۔"

درختوں کے اس پار دھوئیں والا مکان اب بھڑک اٹھا تھا۔ ہوا میں شعلوں کی لپٹیں اٹھتی دکھائی دیتی تھیں۔

"یہ تو بہت خوفناک ہے" لارڈ جان نے کہا "اس سے پہلے میں نے ان کو اتنا متاثر کبھی نہ دیکھا تھا۔"

"بہرحال اسمیں حرج ہی کیا ہے؟" میں نے کہا "دنیا تو فنا ہی ہو چکی ہے اب لاش کے جلنے سے بڑھکر کیا تجہیز و تکفین ہو گی۔"

"اگر اس مکان میں آگ لگ گئی تو ہمارا خاتمہ اور بھی جلد ہو جائیگا"

"میں نے اس خطرہ کو سوچ لیا تھا" چےلنجر نے کہا "اور اپنی اہلیہ سے اس کے تدارک کیلئے کہہ دیا تھا۔"

"ہر چیز محفوظ ہے۔ لیکن میرے سر میں پھر کچھ گرانی محسوس ہوتی ہے کس غضب کی یہ فضا ہے۔"

"ہم اسے بدلے دیتے ہیں۔" چےلنجر نے کہا اور آکسیجن کے پیپے پر جھکے "یہ تو قریب قریب خالی ہے" وہ کہنے لگے "اس نے ہمیں ساڑھے تین گھنٹے تک کام دیا۔ اب اس وقت آٹھ بجنے کے قریب ہیں۔ رات بھر تو آرام سے گزر جائیگی مجھے خاتمہ کی توقع کل صبح ۹ بجے ہے۔ ہم اب جس طلوع کو دیکھینگے۔ وہ صرف ہماری ہی لئے ہو گا۔

اب انہوں نے دوسری نلی کھولدی اور کوئی آدھے منٹ کیلئے دروازے کے اوپر والا بادگیر کھولدیا۔ اس سے ہوا تو یقیناً بہتر ہوگئی لیکن ہماری علامات میں شدت ہوگئی اسلئے انہوں نے بادگیر پھر بند کردیا۔ اور کہنے لگے۔

"ہاں ایک بات یاد آئی۔ آدمی محض آکسیجن پر تو زندہ نہیں رہتا۔ اب یہ وقت کھانے کا ہی بلکہ ہو چکا۔ آپ حضرات یقین رکھئے کہ جب میں نے آپ لوگوں کو تکلیف دی تھی اور یہ سمجھا تھا کہ ایک بہت ہی دلچسپ ملاقات ہوگی تو اس وقت میں نے باورچیخانہ کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اس کا ثبوت ملنے والا ہے۔ بہرحال جو کچھ ہم کرسکتے ہیں ہمیں کرنا چاہئے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ بھی میری تائید کرینگے کہ چولھا جلاکر آگ ختم کردینا حماقت ہوگی میرے پاس سرد گوشت، روٹی اور اچار چٹنی وغیرہ موجود ہے اور دو گلابیاں شراب کی ہیں میں سمجھتا ہوں کہ کفایت کریں گی۔ جان من، تسلیم! واقعی تم انتظام کی ملکہ ہو۔"

فی الحقیقت یہ دیکھکر تعجب ہوتا تھا کہ ایک خود دار اور باسلیقہ انگریز خانہ دار کی طرح اس خاتون نے چند منٹوں میں بیچ والی میز پر ایک سفید براق دسترخوان بچھادیا۔ پیش گیرے رکھدیئے۔ اور وہ سادہ کھانا اس سلیقہ سے چنا کہ تہذیب کا پورا نمونہ نظر آیا۔ بیچ میز میں ایک برقی مشعل بھی رکھی تھی۔ اس سے بڑھکر اسکا تعجب تھا کہ ہماری اشتہا زوروں پر تھی۔

"یہ ہمارے جوش دروں کا اندازہ ہے" چے لنجر نے اپنے اس مخصوص انداز میں کہا جو کبھی کبھی وہ چھوٹی باتوں کی تاویل کیلئے اختیار کیا کرتے تھے۔ "ہم ایک

بڑے بحران سے گزر چکے ہیں۔ اسکے معنی سالمی توجّ کے ہیں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ مرمت کی ضرورت ہے۔ شدت کا غم اور شدت کی خوشی میں شدت کی بھوک ہونی چاہیئے نہ کہ ہمارے ناول نویسوں کے قول کے مطابق عدم اشتہا"

" اسی وجہ سے موت پر ہماری دیہاتی بڑی بڑی دعوتیں کرتے ہیں" میں نے دبی زبان سے کہا

" بالکل ٹھیک۔ واقعی ہمارے نوجوان دوست نے بہت عمدہ مثال دی۔ یہ لیجئے یہ زبان لیجئے "

" یہی حال وحشیوں کا ہے" لارڈ جان نے گوشت کاٹ کر کہا "میں نے دیکھا ہے کہ ادھر تو انہوں نے اپنے سردار کو دریائی ارولی کے سپرد کیا اور اُدھر وہ ایک دریائی گھوڑے کو ہضم کر گئے جس کا وزن کل قبیلہ کے برابر ہوگا اور نیو گنی کے راستے میں بعض وحشی تو خود متوفی کو کھا جاتے ہیں۔ اس زمین پر جتنی دعوتیں بھی میت پر ہوئی ہیں ان سب میں میرے خیال میں ہماری دعوت عجیب ترین ہے۔

" سب سے عجیب بات یہ ہے" مسز چے لیجر نے کہا "کہ جو لوگ فوت ہو گئے ان پر مجھے بالکل افسوس نہیں معلوم ہوتا۔ بڈ فورڈ میں میری والدین ہی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ مر گئے۔ اسپر بھی اس عالمگیر موت دفنا میں مجھے کسی کیلئے حتیٰ کہ انکے لیئے بھی رنج نہیں معلوم ہوتا"

" میری ضعیف ماں تو آئرستان میں اپنے مکان میں ہونگی" میں نے کہا "مجھے تخیل میں ایسی تصویر نظر آتی ہے کہ دو شالہ اوڑھے لیسدار ٹوپی پہنے آنکھیں

بند کئی کھڑکی کے پاس پرانی اونچی پیٹھ والی کرسی پر لیٹی ہوئی ہیں۔ ان کی عینک اور کتاب ان کے پاس رکھی ہے۔ لیکن میں انکا نام کیوں کروں۔ وہ چل بسیں اور میں بھی تیار بیٹھا ہوں۔ ممکن ہے کہ انگلستان اور آئرستان کے مقابلے میں اس زندگی میں ان سے قریب تر ہوں۔ تاہم مجھے اس خیال سے ایک گونہ رنج ہے کہ اب وہ نہیں ہیں"

"رہا جسم" چیلنجر نے کہا "تو ہم اپنے ناخونوں یا بالوں کے کٹنے پر کوئی رنج نہیں کرتے حالانکہ وہ بھی ہمارے ہی جسم کا حصہ ہوتے ہیں اور نہ ایک ٹانگ کا آدمی اپنی کٹی ٹانگ پر زیادہ نالہ وشیون کرتا ہے۔ یہ طبیعی جسم تو ہمارے لئے تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔ یہ ہر وقت ہماری حدود ہمیں بتلاتا رہتا ہے۔ پس اگر ہمارے نفس سے یہ جدا ہو جائے تو ہمیں رنج کی کیا وجہ؟"

"اگر فی الواقع وہ جدا ہو سکیں" سمرلی نے اعتراضاً کہا "لیکن بہر نوع عالمگیر موت خوفناک ہوتی ہے"

"میں پہلے ہی سمجھا چکا ہوں" چیلنجر نے کہا "کہ عالمگیر موت کی نوعیت منفرد کی موت سے کم ہیبت ناک ہوتی ہے"

"یہی حال لڑائی کا ہوتا ہے" لارڈ جان نے کہا "اگر آپ سامنے فرش پر ایک آدمی پڑا دیکھیں جسکے سینے پر گولی لگی ہو اور جس کے چہرے پر سوراخ ہو گیا ہو تو آپ تھرا اٹھینگے۔ لیکن میں نے سوڈان میں ایسے ہزاروں کو دیکھا ہے اور کوئی احساس مجھ میں پیدا نہیں ہوا کیونکہ جب آپ تاریخی عظمت کا کوئی کام انجام دیں تو کسی ایک شخص کی زندگی ایسی چیز نہیں ہوتی کہ اسکی فکر کیجائے۔ جب

ہزار دلیں گذریں جیسی کہ آج گزرے تو اس انبوہ میں سے آپ کسی کو مختص نہیں کر سکتے۔ مثل مشہور ہے "مرگِ انبوہ جشنے دارد"

"کاش ہم سب بھی ختم ہو جاتے" خاتون نے کہا "جارج! مجھے خوف معلوم ہوتا ہے"

"جب وقت آئیگا تو تم ہی سب سے بہادر نکلوگی۔ میں تمہارے لئے ایک شوریدہ سر شوہر رہا۔ لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ج، ڈبلیو، چ ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ وہ بنایا گیا ہے اور اسمیں بالکل اسے اختیار نہ تھا۔ اس کے علاوہ تم نے کسی اور کو پسند بھی نہ کیا"

"ہاں دنیا میں اور کوئی پسند بھی نہ آیا" یہ کہکر خاتون نے اپنی ہاتھ شوہر کی موٹی گردن میں ڈالدیئے ہم تینوں کھڑکی تک گئے اور جو منظر ہمارے سامنے تھا اسکو دیکھکر دنگ رہ گئے۔

تاریکی چھا گئی تھی اور مردہ دنیا پر اب مردنی طاری تھی۔ لیکن جنوبی افق کے اس پار ایک لمبی سرخ پٹی نظر آتی تھی جو نبض کیطرح اترتی چڑھتی تھی۔ کبھی تو لپک کے چوٹی تک پہنچتی تھی اور کبھی اتر کے سلگتی آگ معلوم ہونے لگتی تھی۔

"لی وِس میں آگ لگی ہے" میں نے کہا۔

"نہیں یہ آتشزدگی برائی ٹن کی ہے" چے لنجر نے قدم بڑھا کر کہا "دیکھئے ان شعلوں کے آگے وہ خمدار پہاڑیاں نظر آتی ہیں۔ وہ آگ ان سے میلوں پیچھے ہے۔ سارا شہر جل رہا ہوگا"

مختلف مقامات پر اس جیسی کئی سرخیاں نظر آرہی تھیں اور ریل کی

پٹری پر بلبہ ابھی تک سلگ رہا تھا۔ لیکن یہ سب آتش زدگیاں پہاڑیوں کے اس پار والی زبردست آگ کے مقابلے میں محض انگارے معلوم ہوتی تھیں گزٹ کیلئے ان کی تصویر کیا ہی موزوں ہوتی! کیا کسی صحافی کو ایسا موقع ملا ہو اور پھر اس کو کام میں لانے کی کوئی صورت نہ ہو اور پھر یکایک ضبط تحریر میں لانے کی پرانی عادت مجھ پر غالب آگئی۔ اگر یہ اہلِ علم آخر تک طلبِ علم میں مصروف ہیں تو مجھ کو بھی اپنی ناچیز طریقے پر اپنا کام کیوں نہ انجام دینا چاہیئے؟ ممکن ہے کہ جو کچھ میں لکھوں اسکو کوئی انسانی آنکھ نہ دیکھے لیکن یہ رات بھی کسی نہ کسی طرح گزارنا تھی۔ اور کم از کم میرے لئے تو نیند خارج از بحث تھی۔ میں کیفیت قلمبند کرونگا تو ایک رات کٹ جائیگی دوسرے میری خیالات یکسو ہوں گے یہی وجہ ہے کہ اب میرے سامنے وہ بیاض ہے جسپر میں نے اس برقی مشعل کی دھیمی روشنی میں گھٹنے پر رکھکر یادداشت لکھی تھی۔ اگر مجھ میں ادبی ذوق ہوتا تو یہ تحریر موقع اور محل کے مناسب ہوتی۔ تاہم جیسی بھی ہے کم از کم اتنا تو ہے کہ اس سے دوسرے اس خوفناک رات کو ہمارے اضطراب و اضطرار کا اندازہ کر سکینگے۔

چوتھا باب

مرنیوالوں کا روزنامچہ

میری بیاض کے خالی صفحہ پر یہ عنوان کیسا عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اس

سے عجیب تر یہ، کہ وہ میں ہی تھا جس نے الفاظ بالا تحریر کئے تھے اور وہ میں ہی تھا جو اسٹری تھم میں اپنے کمروں سے بارہ گھنٹے قبل چلا تھا اور اسکا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ایسے ایسے غرائب سے واسطہ پڑیگا۔ اب میں سلسلۂ واقعات پر نظر ڈالتا ہوں تو میک آرڈل سے ملنا، ٹائمز میں چے لنجر کا پہلا اندیشہ ناک خط چھپنا، ریل کا وہ نامعقول سفر، وہ خوشگوار دعوت، وہ ساعتِ عظیم اور اب اس انجام کو پہنچے، کہ ہم ہی اکیلے اس خالی سیارہ پر رہ گئے۔ اور اب ہمارا انجام اسقدر یقینی ہوگیا ہے کہ ان سطروں کو، جو محض پیشہ کی عادت کی وجہ سے ضبط تحریر میں آئیں اور جن کو انسانی آنکھیں کبھی نہ دیکھینگی میں پہلے ہی سے مردہ آدمی کی تحریر سمجھ سکتا ہوں یعنی وہ اس سرحد پر آلگا ہے جس کے اس پار احباب کے اس چھوٹے سے دائرے کے علاوہ سب جا چکے ہیں۔ اب مجھے محسوس ہوتا ہے کہ چے لنجر کا یہ قول کتنا صادق اور صحیح تھا کہ حقیقی مصیبت تو اُس وقت ہوگی جبکہ ہم اکیلے رہجائیں گے اور جملہ شرافت و نیکی و حُسن رخصت ہوجائیگا۔ لیکن اب اسکا بھی خطرہ نہ رہا۔ اسلئے کہ ہماری آکسیجن کی دوسری نلی ختم ہو رہی ہے۔ اب تو ہم اپنی زندگی کی ایک ایک سانس تک شمار کر سکتے ہیں

چے لنجر صاحب کوئی پاؤ گھنٹہ سے ہمیں ایک لکچر پلا رہے تھے کہ گویا وہ حسب قدیم کوئنس ہال میں علمی متشککین کی ایک مجلس کے سامنے تقریر کر رہے ہیں۔ اسوقت تو واقعی ایک عجیب مجمع ان کا سامع تھا۔ ان کی بیوی تھیں کہ ہر امر پر تسلیم خم۔ اگرچہ ان کے مطلب سے بالکل لاعلم ہی کیوں نہوں۔ سمرلی تھے کہ ذرا سائے میں تھے۔ طبیعت میں نکتہ چینی اور باریک بینی لیکن دلچسپی لئے

ہوئے، لارڈ جان تھے کہ ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے اور انہیں اس کل کاروائی سے الجھن تھی۔ اور میں تھا کہ کھڑکی کے پاس بیٹھا اس منظر کا تماشا دیکھ رہا تھا کہ گویا یہ سب خواب ہے یا ایسا معاملہ ہے جس کو مجھ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ چیلنجر درمیانی میز کے پاس بیٹھے تھے اور برقی روشنی خوردبین کے نیچے اس تختی کو منور کر رہی تھی جس کو وہ اپنے لباس خانے سے اٹھا لائے تھے۔ خوردبین والے آئینے سے سفید روشنی کا جو چھوٹا سا دائرہ ان کی ناہموار اور ریش دار چہرے پر پڑ رہا تھا۔ اس سے آدھا چہرہ تو روشن تھا اور آدھا تاریک معلوم ہوتا تھا کہ وہ کچھ عرصے سے حیات کی سادہ ترین شکلوں کی تحقیق میں مصروف تھے۔ جو امر ان کیلئے باعثِ ہیجان تھا وہ یہ کہ جس خوردبینی تختی کو انہوں نے کل تیار کیا تھا اسمیں اب تک امیب زندہ تھا۔ وہ بہت جوش میں آکر کہنے لگے:-

"آپ خود دیکھ سکتے ہیں۔ سمرلی صاحب آئیے قدم بڑھائیے اور اپنا اطمینان کر لیجئے۔ میاں مے لون! ذرا تم بھی میرے قول کی تصدیق کرنا۔ بیچ میں تکلے جیسی چیزیں جو نظر آتی ہیں وہ دو جوہرے ہیں ہم ان کو نظر انداز کر سکتے ہیں اسلئے کہ یہ غالباً حیوانی کی بجائے نباتی ہیں لیکن داہنی جانب ایک غیر مشتبہ امیبا ہے جو اس میدان پر گھسٹ رہا ہے"

سمرلی نے دیکھا اور تائید کی۔ اسیطرح میں نے بھی دیکھا تو ایک چھوٹا سا کیڑا دکھائی دیا جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سُن شیشے کا بنا ہے اور دلدل میں بہہ رہا ہے۔ لارڈ جان محض ان کے قول پر اعتبار کرنے کیلئے تیار

تھے۔ چنانچہ کہنے لگی :۔

"مجھے اس سے کیا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔ ہم ایک دوسرے کے شناسا تک بھی تو نہیں۔ بس مجھے فکر کی ضرورت؟ میں نہیں خیال کرتا کہ اسے بھی ہماری صحت کے متعلق ذرا بھی تشویش ہوگی؟"

میں اسپر ہنس پڑا اور چے لنجر نے میری طرف نہایت سرد مہری اور تکبر سے دیکھا وہ عجب تحیر خیز منظر تھا۔ اور پھر کہنے لگی۔

"نیم تعلیمیافتہ لوگوں کی زباں درازی عامیوں کی نادانی سے بڑھ کر علم کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ اگر لارڈ جان راکسٹن گوارا کریں۔"

"جارج! اتنی تند مزاج مت بنو" ان کی اہلیہ نے ان کے گھنے بالوں والے سر پر ہاتھ رکھکر کہا "امیبا مرے یا جیئے کونسی بڑی بات ہے؟"

"ہاں بڑی ہی بات ہے" چے لنجر نے جھلا کر کہا "اچھا تو پھر کچھ اس کے متعلق سنائیے۔"

لارڈ جان نے خندۂ شیریں کیساتھ کہا۔ "کچھ نہ کچھ گفتگو تو ہونی چاہیئے اسی پر سہی۔ اگر آپ کا خیال ہے کہ میں نے اسکو بہت ہی حقیر سمجھا یا اس کے جذبات کو کسی طرح صدمہ پہنچایا تو میں معافی مانگ لونگا۔"

"مجھ سے پوچھئے تو" سمرلی نے اپنی چڑاتے اور حجتی انداز میں کہا "میں کہونگا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ اس کے زندہ ہونے کو اتنی اہمیت کیوں دے رہے ہیں وہ بھی اسی فضا میں ہے۔ جس میں ہم ہیں۔ اسلئے ظاہر ہے کہ اسپر زہر اثر نہیں کرتا۔ اگر وہ اس کمرے کے

باہر ہوتا تو دوسرے جانداروں کی طرح یہ بھی مرجاتا۔"

"جناب سمرلی صاحب! آپ کے اس قول سے" چیلنجر نے بہت متواضع بن کر کہا (کاش! خوردبین والے آئینے سے منعکس روشنی میں اس ادعا نما اور متکبر چہرے کا نقشہ کھینچ سکتا) " آپ کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حقیقت حال کا اندازہ نہیں کر سکے یہ نمونہ کل تیار کیا گیا تھا اور اسی وقت گل حکمت کر دیا گیا۔ ہماری آکسیجن تو اس تک پہنچ ہی نہیں سکتی لیکن اثیر بلاشبہ اس تک پہنچ گیا ہے۔ کیونکہ وہ کائنات کے ہر نقطہ تک پہنچ سکتا ہے پس وہ اس زہر کو برداشت کر گیا۔ اسلئے ہم یوں استدلال کر سکتے ہیں۔ کہ اس کمرے کے باہر ہر امیبا بجائے مردہ ہونے کے جیسا کہ آپ نے غلطی سے کہا۔ اس بلا کو جھیل گیا۔"

"اب بھی میں نہیں سمجھتا کہ اسمیں خوشی منانے کی کونسی بات ہے؟" لارڈ جان نے کہا " تو اس سے ہوا کیا؟"

" بہت کچھ۔ یہی کہ دنیا مردہ ہونے کی بجائے زندہ ہے۔ اگر آپ میں علمی تخیّل موجود ہوتا۔ تو آپ اسی ایک واقعہ سے استدلال کرتے اور پھر آپ کو معلوم ہوتا کہ آج سے چند لاکھ برس بعد، اور یہ مدت گردش ایام کے مقابلہ میں ہے کیا۔ اسی حقیر بنیاد سے دنیا پھر حیوانی اور انسانی زندگی سے پُر ہو جائیگی۔ آپ نے کوہ و دشت میں آگ لگتی دیکھی ہوگی جہاں گھاس یا پودوں کا نشان تک صفحہ زمین سے مٹ جاتا ہے اور یہاں سے وہاں تک سیاہی باقی رہ جاتی ہے۔ آپ خیال کرتے ہوں گے کہ وہ اب ہمیشہ کیلئے ویران ہو

گیا۔ تاہم جڑیں باقی رہ جاتی ہیں۔ اور اگر آپ چند برس بعد اسی مقام کو دیکھیں تو آپ کو یہ پتہ بھی نہ چلیگا کہ وہ سیاہ نشان کہاں تھے۔ اس حقیر مخلوق میں حیوانی دنیا کی بالیدگی کی بنیاد موجود ہے۔ اور یقیناً اپنے فطری نشو و نما اور ارتقا کی بدولت بالآخر اس عدیم النظیر بحران کا جس میں ہم مبتلا ہیں ہر نشان اپنے وقت پر مٹ کے رہیگا۔"

"کمبخت کتنا دلچسپ ہے" لارڈ جان نے اُچھل کے اور خوردبین میں دیکھکر کہا "حضرت جو خاندانی تصویروں میں درجہ اول پر لٹکائی جائینگے تو کیا مزے کی بات ہوگی۔ اچھا ایک بٹن بھی آپ کے اوپر موجود ہے۔"

"وہ تاریک چیز اسکا مرکز ہے" چیلنجر نے اسطرح کہا جیسے کوئی دایہ بچے کو حروف سکھلائے "خیر ہمیں تنہائی محسوس کرنے کی ضرورت نہیں" لارڈ جان نے ہنسکر کہا "ہمارے علاوہ اس زمین پر ایک اور بھی زندہ موجود ہے۔"

"چیلنجر صاحب آپ نے تو غالباً اسے تسلیم کرلیا ہے" سمرلی نے کہا "کہ جس غرض کیلئے یہ دنیا خلق کیگئی وہ یہ ہے کہ اس میں انسان پیدا اور آباد رہیں۔"

"یہ نہیں ہے تو جناب اور کونسی غرض ہے؟" چیلنجر نے اس فراسی مخالفت پر چیں بہ جبیں ہوکر کہا

"بعض اوقات مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کا یہ محض ادعا اور تکبر ہے جو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کارخانہ دنیا ان کا بارگاہ بنایا گیا ہے"

"ہم اس کے متعلق قطعی طور سے تو نہیں کہہ سکتے لیکن ہاں آپ کے نامزد کردہ ادعا محض کے بغیر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ فطرت میں ہم ہی اعلیٰ تریں مخلوق ہیں۔"

"اعلیٰ تریں وہیں تک جہاں تک ہمارا علم ہے۔"

"اس میں جناب کس کو کلام ہے"

"اچھا تو اب ان لاکھوں بلکہ کروڑہا برس کا خیال کیجئے جس میں زمین مکان میں خالی اور خالی نہیں تو کم از کم نسلِ انسانی کے وجود یا نشان کے بغیر گھومتی رہی اب ذرا اس کے متعلق سوچئے تو، کہ اس مدت مدید بلکہ ابد میں وہ کس طرح بارش سے دھلتی رہی سورج سے تپتی رہی اور ہوا کے تھپیڑے کھاتی رہی جہاں تک ارضی زمانہ کا تعلق ہے انسان کی آمد تو کل کی بات ہے تو ہم یہ کیوں تسلیم کرلیں کہ یہ سارے کا سارا عظیم الشان کارخانہ صرف اسی کے تمتع کیلئے بنایا گیا ہے؟"

"اس کیلئے نہیں تو پھر کس کیلئے؟ یا کس مقصد کیلئے؟"

سمرلی نے اپنے شانے ہلائے

"ہم کیسے کہہ سکتے ہیں؟ انسان کو تو اصل میں بالکل اتفاقی ہونا چاہئے تھا یعنی عمل ارتقا میں محض ایک ذیلی حاصل۔ لیکن اب جو اسکی موجودہ حالت ہے۔ اسکا سبب تو ہمارے ادراک سے ہے انسان کی مثال تو ایسی ہے، جیسے سمندر کی سطح پر جھاگ۔ جو سمجھے کہ سمندر میرے پیدا ہونے اور رہنے کیلئے بنایا گیا ہے یا کسی گرجا میں کوئی چوہا یہ سمجھے کہ یہ عمارت میری ہی لئے بنائی گئی ہے۔"

میں نے حرف بحرف ان کے دلائل قلمبند کر دیئے ہیں لیکن اسکی بعد تو محض لفاظی رہ گئی تھی کہ ہر دو جانب سے بڑے بڑے ثقیل علمی الفاظ استعمال ہوتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسے دو دماغوں کو سرگرم مباحثہ دیکھنا ہی کیا کم عزت ہے لیکن چونکہ ان میں از اول تا آخر اختلاف تھا اسلئے لارڈ جان اور مجھ جیسے سادہ لوگوں کیلئے ان کی اس علمی نمائش سے کسی قطعی بات کا پتہ لگانا بہت مشکل تھا۔ وہ ایک دوسرے کی تردید کرتے رہتے اور ہم پھر ویسے کے ویسے ہی رہ جاتے۔ لیکن اب وہ گرمی ہنگامہ ختم ہو گئی۔ سمرلی صاحب اپنی کرسی پر گٹھری بنے پڑے ہوئے ہیں اور چیلنجر صاحب ابھی تک خوردبین کے پیچوں پر ہاتھ لگائے ہوئے طوفان کے بعد سمندر کے شور کیطرح مسلسل ہلکے ہلکے غرا رہے ہیں۔ لارڈ جان میرے پاس آتے ہیں اور ہم دونوں کھڑکی میں سے رات کو دیکھتے ہیں۔

زرد زرد ہلال چمک رہا ہے۔ یہ آخری ہلال ہے جسے انسانی آنکھیں پڑ رہی ہیں۔ تارے بھی خوب چھٹکے ہوئے ہیں۔ جنوبی امریکہ کے پٹھار کے صاف مطلع میں بھی میں نے ان کو ایسا چمکدار نہ دیکھا تھا۔ غالباً یہ اثیری تغیر روشنی پر بھی کچھ اثر رکھتا ہے۔ برائی ٹن کی چٹان اب تک جل رہی ہے اور مغربی مطلع پر بہت دور سرخی سی دکھائی دے رہی ہے جسکے معنی یہ ہیں کہ ارن ڈیل یا چی چسٹر یا ممکن ہے کہ پورٹس ماؤتھ تک متاثر ہو۔ میں بیٹھا ہوا لطف اندوز ہو رہا ہوں۔ اور وقتاً فوقتاً کچھ

لکھنا بھی جاتا ہوں۔ جوانی وحسن اور مردانگی ومحبت، ان سب کا کیا یہی انجام ہونیوالا ہے۔ تاروں بھری رات میں زمین سکون وسرور کا ایک خوابستان معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں اس کو کون آدمیوں کی لاشوں سے بھرا ہوا جہنم خیال کرسکتا ہے۔ یکایک میں اپنے کو ہنستا ہوا پاتا ہوں۔

"واہ میاں، صاحبزادے واہ!" لارڈ جان میری طرف تعجب سے دیکھکر کہتے ہیں۔ "ایسے سخت وقت میں بھلا ہنسی کا کیا موقع تھا۔ آخر کیا بات تھی؟"

"میں تمام لاینحل مسائل پر غور کر رہا تھا" میں جواب دیتا ہوں "ان مسائل پر جن پر ہم نے اپنی اسقدر محنت اور فکر صرف کی ہے۔ مثلاً آپ اینگلو جرمن مقابلہ کا خیال کیجئے یا خلیج فارس کو دیکھئے جس میں میرے سابق افسر کو اسقدر دلچسپی تھی۔ جبکہ ہم خود اس طرح چیں بجبیں ہو رہے ہیں تو کس کے ذہن میں آسکتا ہے۔ کہ یہ مسائل کیسے حل ہوں۔"

ہم پھر خاموش ہو جاتے ہیں۔ میرے خیال میں ہم سب اپنے یاران رفتہ کو یاد کر رہے ہیں۔ مسز چیلنجر آہستہ آہستہ سسکیاں بھر رہی ہیں۔ انکے شوہر ان سے کچھ کان میں باتیں کر رہے ہیں۔ بالکل غیر مانوس اور غیر متوقع لوگوں کیطرف میرا ذہن منتقل ہوتا ہے اور ان سب کو میں صحن میں پڑے بیچارے آسٹن کیطرح مردہ اور خشک دیکھتا ہوں۔ مثال کے طور پر میک آرڈل ہی ہیں میں قطعی طور سے جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہیں

ان کا چہرہ لکھنے کی میز پر ہوگا اور انکا ہاتھ ٹیلیفون پر، جیسا کہ میں نے انکو
کرتے بھی سنا تھا۔ ایڈیٹر بوآن بھی میں سمجھتا ہوں کہ اس نیلے اور سرخ
رومی قالین پر پڑے ہوں گے۔ جو ان کی تقدس گاہ میں بچھا رہتا تھا۔
اور خبر رسانوں کے کمرے میں میک ڈونا، مرے اور بانڈ بھی یقیناً اپنا
کام کرتے مرے ہونگے۔ ان کے ہاتھوں میں اپنی بیاضیں ہونگی جن میں
عجیب عجیب اثرات اور واردات قلمبند ہوں گے۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ کسطرح
سے دن میں ایک رپورٹ ڈاکٹروں کے پاس بھیجی گئی ہوگی، ایک ویسٹ منسٹر
میں اور دوسری سینٹ پال کے گرجا میں۔ کیا کیا زبردست سرنامے قطار
در قطار لکھی ہونگی۔ جن کی قسمت میں کبھی چھپنا مقدر نہ ہوا ہوگا۔ ڈاکٹروں
والی رپورٹ میں میک ڈونا نے جو لکھا ہوگا میں اسکی تصویر کھینچ سکتا ہوں
"ہمارے اسٹریٹ میں امید" "مسٹر سولے ولسن سے ملاقات" "مشہور ماہر
کہتا ہے، ناامید نہ ہو" "ہمارے نامہ نگار خصوصی نے مشہور سائنس دان
کو چھت پر بیٹھے پایا۔ جہاں وہ اسلئے چلے گئے تھے کہ ان خوفزدہ بیماروں
کے جم غفیر سے بچ سکیں جو ان کے مکان پر چڑھ آئے تھے۔ ایک ایسے انداز
سے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ موقع کی اہمیت کا پورا پورا احساس رکھتے ہیں
اُن مشہور طبیب نے اس کے ماننے سے انکار کیا کہ اب کسی طرف سے
امید باقی نہیں رہی" میک نے یوں ہی لکھا ہوگا۔ پھر بانڈ نے غالباً
سینٹ پال کے گرجا کو لکھا ہوگا۔ وہ اپنے کو ادیب سمجھتے تھے۔ عجب نہیں
جو یوں لکھا ہو:-

گنبد کے نیچے بارہ دری میں کھڑے ہوئے، اور اُس مایوس جمِ غفیر پر نظر ڈالتے ہوئے جو اس آخری وقت میں ایک ایسی قدرت کے سامنے جس کو وہ ابتک عمداً بھولے ہوئے تھے اس انبوہ سے گریہ زاری اور تضرع کی، اور اس وہم و گماں سے بالاتر ہستی کی طرف استعانت و استمداد کی، ایسی دردناک آواز اٹھی کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" وعلیٰ ہذا

واقعی میرے جیسے ایک رپورٹر کیلئے اس سے بڑھکر اور کیا انجام ہوسکتا ہے۔ اگرچہ یہ خزانے بے استعمال ہی رہینگے۔ وہ بیچارا بانڈ کیا کچھ نہ دیتا اگر اوپر جیسے کالم کے نیچے اس کو 'ج ۔ ہ ۔ ب' لکھنے کا موقع دیا جاتا؟

لیکن میں کیا خرافات لکھ گیا۔ یہ محض وقت کاٹنے کیلئے۔ مسز چے لنجر اندرونی لباس خانے میں چلی گئیں ہیں۔ اور پروفیسر صاحب کہتے ہیں۔ کہ وہ سو رہی ہیں وہ خود بیچ کی میز پر بیٹھے اسطرح یادداشت لکھ رہے ہیں اور کتابیں دیکھ رہے ہیں، کہ گویا انکے سامنے کام کرنے کیلئے برسوں موجود ہیں۔ جس پر کے قلم سے وہ لکھ رہے ہیں۔ وہ شور بہت مچاتا ہے گویا ان لوگوں سے بیزاری ظاہر کر رہا ہے۔ جو اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔

سمرلی صاحب اپنی کرسی پر دراز ہو گئے ہیں اور وقتاً فوقتاً عجیب قسم کے خراٹے لیتے رہتے ہیں۔ لارڈ جان اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے اور آنکھیں بند کئے پڑے ہوئے ہیں۔ واقعی ایسے حالات میں لوگوں کا سونا میری سمجھ سے باہر ہے۔

صبح کے ساڑھے تین بجے ہیں - میں ابھی چونک کر اٹھا ہوں جب جب میں نے آخری یاد داشت درج کی تھی تو گیارہ بجکر پانچ منٹ تھے مجھے یاد ہی کہ اسوقت گھڑی کو کی تھی - اور وقت درج کر لیا تھا - تو گویا اپنی بقیہ عرصۂ زندگی میں ہی میں نے پانچ گھنٹے کے قریب ضائع کر دیئے - اسپر کس کو یقین آسکتا تھا، لیکن اب میں تازگی محسوس کرتا ہوں اور انجام کیلئے تیار ہو گیا ہوں - یا یوں کہئے کہ اپنے ذہن میں خود کو تیار سمجھتا ہوں اس پر بھی جسقدر آدمی تیار تر ہوتا ہے اور جسقدر اسکا معیار زندگی بلند تر ہوتا ہے اسی قدر وہ موت سے گھبراتا ہے - فی الواقع فطرت کا یہ اصول کیسا پر از حکمت و رحمت ہی کہ انسان کی اس دنیاوی زندگی کا لنگر بالعموم چھوٹی چھوٹی بہت سی غیر محسوس کششوں سے کٹ جاتا ہی یہاں تک کہ اسکا شعور اس ناقابل رہائش دنیاوی بندرگاہ سے چلکر آخرت کے بحرِ ناپیدا کنار میں جا پڑتا ہے -

مسز چے لنجر ابھی تک لباس خانے میں ہیں - چے لنجر اپنی کرسی پر سو گئے ہیں - کیا ہی تصویر ہے ! انکا عظیم جثہ پیچھے کو جھکا ہوا ہے ان کے زبردست بالدار ہاتھ سینے پر بندھے ہیں اور انکا سر کچھ اسطرح واقع ہوا ہے کہ ان کے کالر کے اوپر سوائے گھنی داڑھی کے اور کچھ نظر نہیں آتا - وہ اپنے ہی خراٹوں سے مرتعش ہو رہی ہیں - سمرلی بھی بیچ بیچ میں چے لنجر کے نیچے، گہرے سُر کے ساتھ ساتھ اپنا اونچا سُر ملاتے جاتے ہیں - لارڈ جان بھی سو رہے ہیں - بید کی کرسی پر ایک کروٹ

پہ وہ دہرائے ہوئے ہیں۔ صبح کی سرد روشنی کمرے میں چھن چھن کے آرہی ہے اور ہر چیز خاکستری اور ماتم کناں معلوم ہوتی ہے۔

میں اب طلوعِ صبح کو دیکھتا ہوں۔ ایسی صبح جو ایک غیر آباد دنیا پر طلوع ہوئی۔ نسل انسانی ختم ہو چکی ہے۔ ایک ہی دن میں اسکا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن سیارے ابھی تک رواں ہیں۔ اور موجوں میں وہی مدوجزر ہے، ہوا اسی طرح زنفیل بجاتی ہے اور کل فطرت علیٰ حالہٖ نظر آتی ہے حتےٰ کہ امیبا تک موجود ہے اور نہیں موجود تو وہ جو اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس کے وجود نے کائنات میں ظہور ہی نہیں کیا نیچے صحن میں آسٹن ہاتھ پھیلائے پڑا ہے۔ صبح کی سفیدی میں اسکا چہرہ دمک رہا ہے اور اس کے مردہ ہاتھ میں ابھی وہ کپی ہے۔ کل نسل انسانی کا انجام اس نیم مضحک اور نیم دردناک لاش میں نظر آتا ہے جو اس بیچارگی کے عالم میں اس مشین کے پاس پڑی ہے۔ جسپر کبھی اسکو قابو حاصل تھا۔

اسوقت جو میں نے یادداشت لکھی تھی۔ وہ یہاں ختم ہو جاتی ہے اسکے بعد واقعات اسقدر جلد رونما ہوئے اور ایسے زبردست تھے۔ کہ لکھنے کا موقعہ نہ ملا۔ لیکن وہ میرے حافظے میں اسطرح محفوظ ہیں۔ کہ ہر تفصیل پیشِ نظر ہے۔

میرے حلق میں جو پھندا سا معلوم ہوا۔ تو میں نے آکسیجن کے پیپوں کو دیکھا اور جو کچھ میں نے دیکھا۔ اس پر چونک پڑا۔ ہماری زندگی

بہت تنگی سے گزر رہی تھی۔ رات کو کسی وقت چے لنجر نے تیسری کے بعد چوتھا پیپہ کھولدیا تھا۔ اب یہ نظر آتا تھا کہ یہ بھی ہو چلا۔ پھر وہی گھٹن مجھے محسوس ہونے لگی۔ میں جھپٹا اور ٹونٹی کو کھول کے آخری پیپے پر لگا دیا۔ لیکن جب میں لگا چکا تو میرے ضمیر نے مجھے ملامت کی۔ کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ اگر اپنا ہاتھ روک لیتا تو شاید سب کے سب اپنی نیند میں گزر جاتے لیکن اندر والے کمرے سے خاتون کی آواز نے یہ خیال دور کر دیا۔

"جارج! جارج! میں گھٹ رہی ہوں"

"مسز چے لنجر اب سب ٹھیک ہو گیا" میں نے جواب دیا۔ اور اتنے میں دوسرے بھی اٹھ کھڑے ہوئے "میں نے ابھی تازہ گیس کھولدی ہے"۔

ایسے موقعہ پر بھی میں چے لنجر پر ہنسنے سے باز نہ رہ سکا۔ ان کی ہر آنکھ پر بالوں کا ایک گچھا سا نظر آیا گویا وہ ایک بڑے داڑھی والے بچے ہیں۔ جو سوتے سے اٹھا دیا گیا ہو۔ سمرلی اسطرح کانپ رہے تھے، جیسے کوئی تپ لرزہ میں مبتلا ہو۔ جب انہوں نے اپنی حالت کا اندازہ کیا تو انسانی خوف تھوڑی دیر کیلئے ان کی علمیت پر غالب آ گیا۔ لارڈ جان البستہ ایسے ہی چاق و چوبند تھے کہ گویا وہ شکار پر جانے کیلئے اٹھے ہیں۔ پیپہ کیطرف نظر ڈال کے کہنے لگے:۔

"پانچواں اور آخری۔ میاں صاحبزادے! ایں! کیا آپ گھٹنے

پر کاغذ رکھے اپنے خیالات اور اثرات قلمبند کر رہے تھے۔

"ہاں یونہی وقت گزارنے کیلئے کچھ لکھ لیا۔"

"کیا مضائقہ۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ سوائے آئرستانی کے دوسرے سے بن بھی نہ پڑتا۔ مجھے یہ توقع ہے کہ آپ کو اسوقت تک انتظار کرنا پڑیگا۔ جبتک ہمارے برادرِ خورد امیبا صاحب بڑھ بڑھا کر تیار نہو جائیں ورنہ کوئی آپ کو پڑھنے والا نہ ملیگا۔ ہاں، پروفیسر صاحب! فرمائیے، اب کیا صورتِ حالات ہے؟"

چے لنجر صبح کے ان بڑے بڑے لکہ ہائے کہر کو دیکھ رہے تھے جو سارے منظر زار پر چھائے ہوئے تھے، اس اونی سمندر میں سبز پوش پہاڑیاں کہیں کہیں مخروطی جزیروں کی طرح دکھائی دے رہی تھیں۔

"ممکن ہے کہ کفن ہو" مسز چے لنجر نے کہا، جواب لباس پہنے داخل ہوئیں۔ "جارج تمہارا وہ گیت یاد آتا ہے کہ پرانے کو چھوڑو نئے کو سراہو، واقعی کسقدر ملہمانہ تھا۔ لیکن میرے دوستو آپ تو کانپ رہے ہیں۔ میں تو رات بھر اوڑھے پڑی رہی اور آپ لوگ کرسیوں پر سر دیا کئے، لیکن ٹھیریئے میں ابھی ٹھیک کئے دیتی ہوں۔"

وہ بیچاری جلدی سے چلی گئی اور تھوڑی دیر میں ہمیں کیتلی کی سرسراہٹ سنائی دی۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کشتی میں کوکو کی پانچ گرم گرم پیالیاں لئے چلی آرہی ہیں۔ اور کہنے لگیں:-

"لیجئے پیجئے۔ اس سے آپ بہتر ہو جائینگے۔"

چنانچہ ھمنے پیا۔ سمرلی نے اپنا چبوک سلگانے کی اجازت چاہی، اور ہم سب کے پاس سگرٹ تھے، اس سے ہمارے حواس ذرا ٹھکانے ہوئے، لیکن اس میں غلطی یہ ہوئی کہ اس نے دھوئیں کو اور بھی غلیظ کردیا، چے لنجر کو بادگیر کھولنا پڑا۔

"چے لنجر صاحب! کب تک؟" لارڈ جان نے پوچھا،

"شاید تین گھنٹے تک" انہوں نے جواب دیا

"میں پہلے ڈرا کرتی تھی" ان کی اہلیہ نے کہا "لیکن جتنا میں قریب ہوتی جاتی ہوں، اتنا ہی آسانی ہوتی جاتی ہے۔ جارج! کیا ہمیں اس وقت عبادت نہ کرنا چاہیئے؟"

"تمہارا جی چاہے تو کرو" اس مردِ بزرگ نے نہایت نرمی سے جواب دیا "ہم سب کا طریقۂ عبادت جداگانہ ہے، میرے لئے تو یہی کافی ہے کہ جو کچھ قسام ازل نے مقدر کردیا، میں اسی پر کامل طور سے راضی ہوں، اور اسی میں خوش ہوں۔ اس نقطہ پر اعلیٰ سے اعلیٰ مذہب اور اعلیٰ سے اعلیٰ سائنس دونوں متفق نظر آتے ہیں"

"میں اپنی ذہنی کیفیت کو صحیح صحیح بیان کروں۔ تو اسے رضا تو نہ کہونگا اور خوشی سے راضی برضا کا تو کیا ذکر" سمرلی نے کہا "میں تو اس لئے راضی ہوں کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ورنہ اگر کھریا کے طبقوں کی تقسیم ختم کرنے کیلئے مجھے ایک سال کی زندگی اور مل جاتی تو اور بھی اچھا تھا"

"آپ اپنی غیر مختتم کام کو کہتے ہیں۔ وہ تو کیا چیز ہے" چے لنجر نے تمکنت سے کہا "ابھی میرا کارنامۂ عظیم مسلّم الحیات" تو ابتدائی منزلوں میں ہے۔ میرا دماغ، میرا مطالعہ، میرا تجربہ غرضیکہ میری کل متاعِ علمی اس انقلاب انگیز جلا میں جمع ہونیوالی تھی، لیکن اسپر بھی میں راضی برضا ہوں"

"مجھے یقین ہے کہ ہم سب کا کچھ نہ کچھ کام رہ گیا ہے" لارڈ جان نے کہا "میاں صاحبزادے آپ اپنی کہئے؟"

"میں ایک دیوان کی ترتیب میں مصروف تھا" میں نے جواب دیا

"خیر دنیا اس سے بچ ہی گئی" لارڈ جان نے کہا "اگر آپ چاروں طرف نظر ڈالینگے، تو تلافیٔ مافات ضرور نظر آئے گی"

"آپ اپنی تو کہئے؟" میں نے پوچھا

"بخت اتفاق سے میں ملبوس ہوکر بالکل تیار بیٹھا تھا۔ میں نے میری دِیل سے وعدہ کیا تھا، کہ بہار میں تبت چلکر برفستانی تیندوے کا شکار کریں گے، لیکن مسز چے لنجر! آپ پر تو یہ بہت ہی گراں ہوگا، آپ نے ابھی یہ خوبصورت سا مکان تیار کیا ہے"

"جہاں جارج ہوں، وہیں میرا گھر بھی سمجھئے لیکن ہاں، اے کاش! کہ ہم دونوں کو پھر ان خوبصورت مرغزاروں میں گشت کرنے کا موقعہ ملتا"

ہمارے دلوں میں ان کے الفاظ کی صدائے بازگشت اٹھی

سورج ان جانی کہروں کو چیر کر نکل آیا تھا، اور اب وسیع کوہسار پر زرد زرد روشنی پھیل گئی تھی، اس تاریک اور مسموم فضا میں بیٹھے ہم کو وہ صاف ہوا دار میدان بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔ مسز چے لنجر نے اسکی آرزو میں ہاتھ پھیلا دیئے، ہم سب نے کرسیاں گھسیٹ کر کھڑکی کے گرد ایک حلقہ سا بنا لیا، فضا پہلے ہی سے بہت غلیظ تھی، مجھے تو یہ معلوم ہوتا کہ ہم جو اپنی نسل کی آخری یادگار ہیں۔ موت کے سائے میں آتے جاتے ہیں، یا ایک غیر مرئی پردہ ہمارے اوپر چاروں طرف سے پڑتا جاتا ہے۔

"یہ پیپہ تو کچھ ٹھیک کام نہیں دے رہا ہے" لارڈ جان نے ایک لمبا سانس لیکر کہا

"ہاں مقدار مختلف ہوتی ہے" چے لنجر نے کہا "اور یہ اسپر منحصر ہے کہ کس دباؤ پر اور کس احتیاط کے ساتھ گیس بند کیگئی۔ میں بھی آپکی تائید پر مائل ہوں، کہ واقعی اس میں نقص ہے"

"تو ہمیں اپنی زندگی کے آخری گھنٹے میں یوں دھوکا اٹھانا پڑا" سمرلی نے تلخکامی سے کہا "واقعی جس زمانے میں ہم نے اپنی عمریں گزاریں اسکا کیا ہی اچھا نمونہ ہے۔ ہاں چے لنجر صاحب! اب آپ کیلئے وقت آیا، کہ آپ طبعی تحلیل کا مطالعہ بطور مظہر ذہنی کے کر سکیں"

"میرے گھٹنوں کے پاس اسٹول پر بیٹھ جاؤ اور مجھے اپنا ہاتھ دو" چے لنجر نے اپنی بیوی سے کہا "میرے دوستو! میرا خیال

میں اس ناقابلِ برداشت فضا میں مزید توقف ہرگز مناسب نہیں۔ کہو، جانِ من!
تم بھی اس کو نہ پسند کرو گی؟"

ان کی اہلیہ نے ایک سسکی بھری اور اپنا سر ان کے گھٹنوں پر رکھ دیا
"میں نے لوگوں کو جاڑوں میں سرپنٹائن میں نہاتے دیکھا ہے" لارڈ جان
نے کہا "جب سب کود چکتے ہیں تو ایک آدھ کنارے کھڑے کانپا کرتے
ہیں، ان کو غوطہ لگانیوالوں پر رشک آتا ہے۔ انہیں ہچکچانیوالوں کی
بری حالت ہوتی ہے۔ میں تو ایک ہی مرتبہ میں ختم کر دینے کا حامی ہوں"

"تو آپ کھڑکی کھول کے اثر کا مقابلہ کرینگے؟"

"گھٹ کر مرنے سے تو وہ زہر ہی اچھا"

سمرلی نے بھی بادلِ ناخواستہ اپنی رضامندی ظاہر کی اور چے لنجر کیطرف
اپنا ہاتھ بڑھایا۔ کہنے لگے:۔

"ہم آپس میں اکثر جھگڑتے رہے ہیں لیکن اب یہ آخری وقت ہے۔ ہم ایک
دوسرے کے اچھے دوست تھے اور ایکدوسرے کے باطن کی عزت کرتے۔
خیر، اب خدا حافظ"

"خدا حافظ، میاں صاحبزادے" لارڈ جان نے کہا "کھڑکی تیغہ کی ہوئی
ہے، آپ اسے کھول نہیں سکتے"

چے لنجر جھکے اور اپنی اہلیہ کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا، انہوں نے اپنی
باہیں ان کے گلے میں ڈالدیں۔

"مے لون! ذرا مجھے دوربین دینا" چے لنجر نے متانت سے کہا

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" انہوں نے اپنی رعد آسا آواز میں کہا، اور یہ کہہ کے دوربین کھڑکی پر پھینک ماری۔

کھڑکی کے ٹکڑوں کے گرنے کی آواز کے ختم ہونے سے پہلے ہماری چہروں پر تیز اور خوشگوار ہوا کے جھونکے لگے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم کتنی اسطرح تحیّر میں غرق بیٹھے رہے۔ پھر جیسے خواب میں سنائی دی، میں نے چیلنجر کی آواز ایک مرتبہ پھر یوں کہتے سنی۔

"ہم پھر طبعی حالات میں آ گئے، دنیا 'حلقۂ سموم' سے نکل گئی۔ لیکن بنی نوعِ انسان میں سے صرف ہم ہی بچے ہیں۔"

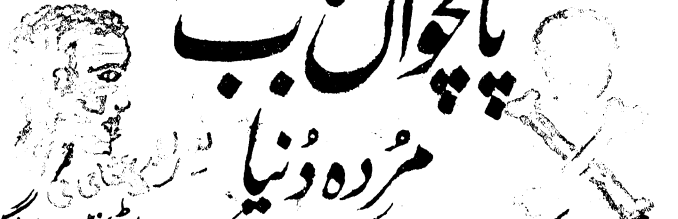

پانچواں باب

مُردہ دُنیا

مجھے یاد ہے کہ ہم سب اپنی کرسیوں پر منہ کھولے بیٹھے تھے، وہ خوشگوار جنوب مغربی نسیم، تازہ تازہ سمندر سے آئی چل رہی تھی۔ اور ململ کے پردوں کو تھپیڑے دے رہی تھی اور ہماری چہروں کو ٹھنڈا کر رہی تھی۔ مجھے اب تعجب ہوتا ہے کہ کتنی دیر تک ہم یوں ہی بیٹھے رہے۔ ہم میں سے کوئی بھی اس امر پر متفق نہ ہو سکا۔ ہم بالکل ششدر، حیران اور سکتے کے عالم میں تھے، ہم سب نے تو موت کیلئے اپنے آپ کو تیار کر رکھا تھا۔ لیکن

یکایک یہ خوفناک واقعہ پیش آیا - کہ ہم کو ابھی اور زندہ رہنا ہے۔ اگرچہ ہماری
نوع پوری تباہ ہو چکی - اس احساس نے ہمیں اور بھی صدمہ پہنچایا اور ہم
بالکل مبہوت ہو گئے - پھر آہستہ آہستہ ہمارے معطل حواس کام دینے لگے حافظہ
کے کل پرزے درست ہونے لگے - ذہنوں میں خیالات مجتمع ہونے لگے - اب
ہم کو نہایت واضح طور سے ماضی، حال اور مستقبل میں تعلق نظر آنے لگا -
یعنی یہ کہ کسطرح ہم نے ابتک زندگی بسر کی اور کسطرح ہمیں آئندہ بسر کرنا
پڑیگی - جب ہم نے ایکدوسرے پر خوفزدہ ہوکر نظر ڈالی تو سب کی نظروں
نے یہی جواب دیا - بجائے اس کے کہ اسطرح موت کے پنجے سے بچ نکلنے پر
ہم کو کچھ خوشی ہوتی ہم سب پر ایک سخت اضمحلال طاری ہو گیا - اس زمین
پر ہم کو جس چیز سے بھی اُنس تھا وہ اس عظیم، نامحدود اور نامعروف
سمندر میں جا ڈوبی، اور ہم اس عجیب دنیا کے ساحل پر آ لگے جہاں نہ کوئی
انیس ہے نہ جلیس ہے - نہ کوئی امنگ ہے نہ کوئی ترنگ ہے - بس یہی ہوگا کہ
گیدڑوں کی طرح ہم بھی چند برس تک نسل انسانی کی قبروں میں پھرا کرینگے
اور پھر ہمارا انجام بھی آ پہنچے گا - چنانچہ وہ خاتون سسکیاں بھر بھر کے
کہنے لگیں -

" جارج ! یہ تو بہت غمناک ہوا، بہت غمناک - اگر ہم سب کے ساتھ
گزر جاتے تو کیا اچھا ہوتا - تم نے ہمیں ناحق بچایا - مجھے تو یہ معلوم ہوتا
ہے کہ مرے ہم ہیں اور باقی ہر شخص زندہ ہے "
چچے لنجر کی گھنی ابروئیں غور و فکر میں ملی ہوئی تھیں اور ان کے

زبردست بالدار ہاتھ نے اپنی اہلیہ کا بڑھا ہوا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں نے یہ دیکھا کہ ہر مصیبت کے وقت وہ اسطرح ہاتھ بڑھا دیا کرتیں جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کی طرف ہاتھ بڑھائے۔

"بغیر اس کے کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھ جانے کی حد تک جبریہ بنوں" چے لنجر نے کہا "میں نے یہ ہمیشہ پایا ہے کہ سعادت انسانی اسی میں ہے کہ امر واقع میں راضی برضا رہے" وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے اور ان کی زوردار آواز میں ایک طرح کا ارتعاش تھا۔

"میں راضی نہیں ہوتا" سمرلی نے زور دے کر کہا

"میں نہیں سمجھتا کہ آپ راضی ہوئے تو کیا۔ اور راضی نہ ہوئے تو کیا" لارڈ جان نے کہا "تسلیم و رضا پر تو آپ مجبور ہیں خواہ آپ اسے مخاصمانہ قبول کریں یا متابعانہ۔ تو ایسی صورت میں آپ کا راضی ہونا نہ ہونا برابر ہے مجھے تو یاد نہیں کہ اس آفت کے شروع ہوتے وقت کسی نے ہماری اجازت لی ہو۔ اور نہ کوئی اب لیگا۔ پس ہماری موافقت یا مخالفت سے اس میں کیا فرق پڑے گا؟"

"وہی فرق جو خوشی و راحت اور رنج و محن میں ہوتا ہے" چے لنجر نے فلسفیانہ انداز سے کہا جو ابھی تک بیوی کا ہاتھ لئے ہوئے تھے "اگر آپ لہر کے ساتھ چلیں تو آپ کے قلب میں اطمینان و سکون ہوگا اور اگر آپ اسکا مقابلہ کرینگے تو آپ کو ضرر پہنچیگا۔ اور آپ درماندہ ہو کر رہ جائینگے یہ واقعہ ہماری بس کا نہیں۔ پس ہم تم اس سے راضی کیوں نہ ہو جائیں۔

اور پھر اس کا ذکر ہی چھوڑ دیں "
" لیکن اب دنیا میں ہم اپنی زندگی لے کر کیا کریں" میں نے اُس گنبدِ نیلگوں کیطرف دیکھکر کہا " مثال کے طور پر بتایئے میں کیا کروں اخبار تو کوئی رہا نہیں بس میرے پیشے کا خاتمہ "
" اور چونکہ شکار کرنے کیلئے کچھ نہ رہا اور نہ سپہگری باقی رہی، اسلئے میرا پیشہ بھی ختم " لارڈ جان نے کہا
" چونکہ طالب علم بھی باقی نہ رہے۔ اسلئے میرا قصہ بھی ختم" سمرلی بولے
" لیکن میرے لئے میرے شوہر ہیں اور میرا مکان ہے اسلئے خدا کا شکر ہے کہ میرا کام ختم نہیں ہوا" خاتون نے کہا
" اور نہ میرا کام ختم ہوا" چیلنجر بول اٹھے " کیونکہ سائنس ابھی زندہ ہے اور خود اس مصیبت نے ہماری تحقیق کیلئے کئی زبردست مسئلے پیدا کر دیئے ہیں "
انہوں نے اب کھڑکیاں پوری کھول دی تھیں۔ اور ہم اس پُر سکون اور بےحرکت منظر کو دیکھنے لگے
" ذرا مجھے سوچنے دیجئے " انہوں نے بسلسلہ سابق کہا " کوئی تین بجے یا کچھ بعد کا عمل ہو گا کہ کل سہ پہر کو دنیا بالآخر حلقہ مسموم میں داخل ہوئی۔ یہاں تک کہ پوری اسمیں غرق ہو گئی۔ اب نو بجے ہیں سوال یہ ہے کہ کس وقت ہم اس حلقہ سے باہر نکلے ؟ "
" صبح کے وقت تو ہوا بہت خراب تھی" میں نے کہا

"اس کے بعد بھی مسز چے لنجر نے کہا" آٹھ بجے تک مجھے گلی میں وہی بندش محسوس ہوتی تھی جو شروع میں معلوم ہوئی تھی"۔

"تو ہم یوں کہینگے کہ ٹھیک آٹھ بجے کے بعد وہ حلقے سی نکل گئی۔ پس سترہ گھنٹے تک دنیا مسموم اثیر میں ڈوبی رہی۔ اتنی مدت کیلئے باغبانِ ازل نے اپنی ثمر پر سے وہ انسانی قالب ہٹا دیا۔ جو ثمر پر چھا جانیوالے تھا۔ ممکن ہے کہ یہ کام پوری طور سے عمل میں نہ آیا ہو اور ہمارے علاوہ دوسرے بھی بچ گئے ہوں؟"

"اسی پر میں بھی غور کر رہا تھا" لارڈ جان نے کہا "صرف ہم ہی پائندہ سنگریزوں میں کیوں شمار ہوں"

"یہ خیال کرنا کہ ہمارے علاوہ کوئی اور بھی بچ رہا ہے سراسر حماقت ہے" سمرلی نے یقین کے ساتھ کہا "خیال تو کیجئے کہ سمیت اتنی زبردست تھی کہ آدمی چاہے بیل کیطرح کیوں نہ مضبوط ہو، اور مے لون کیطرح چاہے لوہے کا کیوں نہ بنا ہو لیکن آپ نے دیکھا کہ زینے پر چڑھتے چڑھتے ہی یہ بیہوش ہو گئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسی حالت میں کوئی سترہ گھنٹہ تو کجا سترہ منٹ بھی زندہ رہا ہو؟"

"بشرطیکہ اس کو کسی نے آتے نہ دیکھ لیا ہو اور ہمارے مہربان چے لنجر کیطرح اس کیلئے تیار نہ کر لی ہو"

"میرے نزدیک اس کا گمان بہت کم ہے" چے لنجر نے داڑھی آگے بڑھا کے اور آنکھیں دبا کے کہا "مشاہدہ، انتاج، اور پیش بین

تخیل کا اجتماع، جسنے مجھے اس خطرے کو محسوس کرنے کے قابل بنایا مشکل ہی سے ایک نسل میں دو جگہ موجود ہوتا ہے"

"تو آپ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ہر شخص مر ہی گیا؟"

"اس میں شک کی گنجائش کیا۔ ہم کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ زہر نیچے سے اوپر چلا ہے اور ممکن ہے کہ کرۂ ہوا کے بالائی طبقوں میں اتنا زبردست نہو۔ اگر ایسا ہوا بھی تو تعجب کا مقام ضرور ہوگا۔ لیکن یہی وہ مسائل ہیں جو ہمارے مطالعہ کا دلکش موضوع ہونگے۔ پس اگر ہم کو پس ماندگاں کی تلاش کرنی ہے تو ہمیں سب سے زیادہ کامیابی کی امید کسی تبتی قریہ یا کسی آلپی گاؤں ہی میں ہوسکتی ہے جو سطح سمندر سے ہزاروں فیٹ بلند ہیں"

"چونکہ نہ کوئی ریل کی پٹریاں بچھی ہیں اور نہ کوئی جہاز چلتے ہیں اسلئے آپ کہہ سکتے ہیں کہ چاند پر بھی پس ماندے ہونگے" لارڈ جان نے کہا "لیکن جو سوال میرے دل میں پیدا ہو رہا ہے وہ یہ ہے کہ کیا واقعی یہ قصہ ختم ہوگیا یا ابھی آدھا وقت گزرا ہے"

سمرلی نے افق پر نظر ڈالنے گردن ذرا لمبی کی۔ ذرا رک رک کے کہنے لگے "کیسا صاف اور خوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کل بھی یہی حالت تھی۔ مجھے تو ابھی تک اسکے ختم ہونے کا یقین نہیں آیا"

چیلنجر نے شانے ہلائے اور کہنے لگے "ہم کو پھر ایک دفعہ حیرت پر آجانا چاہیئے۔ اگر دنیا پر یہ وقت پہلے بھی گزرا ہے اور یہ خارج از امکان نہیں تو وہ وقت اب سے بہت پہلے گزرا ہوگا اسلئے ہم بلا خطر یہ توقع کرسکتے ہیں

کہ اسکے دوبارہ وقوع کیلئے بہت عرصہ چاہئے۔"

"یہ سب کچھ تو ٹھیک" لارڈ جان نے کہا "لیکن اگر آپ ایک زلزلہ محسوس کریں تو اس کا امکان بہت ہوتا ہے کہ اسی کے بعد دوسرا بھی محسوس ہو میری نزدیک ٹانگیں پھیلانا اور جتنک ہو سکے ہوا میں سانس لینا بہت ہی مناسب ہوگا۔ چونکہ ہماری آکسیجن بھی ختم ہوگئی ہے اسلئے جیسے اندر ویسے باہر"

پچھلے چوبیس گھنٹوں کے زبردست ہیجانات کے بعد ہم پر جو کامل سستی طاری ہوگئی تھی وہ عجیب وغریب تھی۔ یہ سستی دماغی اور جسمانی دونوں طرح کی تھی۔ گویا اندرونِ دل میں یہ بات جم گئی تھی کہ اب کسی بات میں بھی مضائقہ نہیں بلکہ ہر چیز اسی درماندگی کا باعث اور بے سود کوشش ہے۔ چیلنجر تک پر اس کا اثر تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھے تھے۔ ان کا بڑا سا سر ان کے ہاتھوں پر تھا اور ان کے خیالات سے جانے کس قدر دور کے تھے۔ حتیٰ کہ لارڈ جان اور میں نے دونوں نے ایک ایک ہاتھ پکڑ کے ان کو پاؤں پر کھڑا کیا۔ اس محنت کا ثمرہ جو ہمیں ملا وہ صرف غراہٹ اور گھورنے کی صورت میں" بہرحال جب اپنی تنگ پناہ گاہ سے نکل کے ہم روزمرہ کی فضا میں آگئے تو ہماری طبعی توانائی پھر رفتہ رفتہ عود کر آئی۔

لیکن اب اس قبرستانِ دنیا میں ہمارے کرنے کیلئے تھا ہی کیا؟ کیا ابتدائے آفرینش سے کبھی انسان پر ایسا وقت گزرا ہے؟ یہ صحیح ہے

کہ ہماری طبعی ضروریات حتی کہ ہمارا تعیش بھی آیندہ کیلئے محفوظ تھا کیونکہ کھانے کے ساری انبار خانے ہر طرح کی شراب کے ذخیرے، اور فنونِ لطیفہ کے جملہ خزانے ہمارے لینے کیلئے موجود تھے۔ لیکن ہم انکا کرتے کیا؟ بعض کام جو بوجہ قریب ہونے کے فوری ہو سکتے تھے۔ ہمارے سامنے آئے۔ چنانچہ ہم اتر کر باورچیخانہ میں گئے اور دونوں نوکروں کو اپنی اپنی پلنگ پر لٹا دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بغیر تکلیف کے مر گئے تھے ایک تو آگ کے پاس کرسی پر بیٹھا بیٹھا رخصت ہوا اور دوسرے نے باورچیخانہ کے فرش پر جان دی۔ پھر ہم بیچاری آسٹن کو صحن میں سے اٹھا لیگئے۔ اس کے پٹھے اسقدر تنے ہوئے تھے کہ گویا شدید قسم کا دورہ پڑا ہے۔ اور رگوں کے کھنچنے سے منہ کچھ ایسا بنگیا تھا کہ گویا منہ چڑھا رہا ہے جو لوگ اس زہر سے مرے تھے۔ سب میں یہی کیفیت پائی جاتی تھی۔ جہاں ہم جاتے ہم کو یہی منہ چڑھے ملتے جو گویا ہماری ہولناک حالت کا مضحکہ اڑا رہے تھے اور اپنی نسل کے پس ماندوں کیحالت پر متبسم کناں تھے۔

"دیکھئے حضرات!" لارڈ جان نے کہا، جو شاول خانے میں بیچینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے، اسوقت ہم کچھ کھانے میں مصروف تھے" میں نہیں جانتا کہ آپ لوگوں کو کیسا محسوس ہوتا ہے لیکن میں اپنے لئے تو کہہ سکتا ہوں کہ میں یہاں خالی بیٹھوں اور کچھ نہ کروں۔ یہ میرے لئے محال ہے"۔

تو اتنا اور کرم کیجئے اور یہ فرمائیے کہ آپ کی رائے میں ہمیں کرنا کیا چاہیئے؟" چیلنجر نے جواب دیا "یہی کہ باہر نکلیں اور دیکھیں کس

کس پر کیا کیا گزری"

"یہی تو میں بھی تجویز کرنیوالا تھا"

"لیکن اس چھوٹے سے دیہات میں نہیں ہم نے کھڑکی ہی سے اس کی ساری کیفیت دیکھ لی ہے"

"تو پھر کہاں چلنا چاہیئے؟"

"لندن!"

"یہ بالکل درست ہے" سمر لی بول اٹھے "آپ تو چالیس میل چلنے کیلئے تیار ہو جائینگے لیکن چے لنجر صاحب کا یقین نہیں۔ انکی ٹانگیں چھوٹی ہیں اور مجھے اپنی بابت تو پختہ یقین ہے"

چے لنجر اسپر بہت چیں بجبیں ہوئے۔ اور چلائے "جناب عالی! آپ اپنے ملاحظات کو اپنی ہی جسمانی خصوصیات تک محدود رکھا کریں تو مجھے یقین ہے کہ تنقید کیلئے آپ کو ایک وسیع میدان مل جائیگا"

"میرے مہربان چے لنجر! میری تربیت کا مذاق کرنے کی کوشش نہ کیجئے" بے شعور دوست نے کہا "آپ اپنی جسمانی حالت کے ذمہ دار نہیں اگر فطرت نے ہی آپ کو ایک پستہ اور بھاری بدن دیا ہے تو ٹانگیں چھوٹی نہ رہنے دینا غالباً آپ کے امکان میں نہیں ہے"

چے لنجر مارے غصے کے جواب نہ دے سکے۔ وہ صرف غرایا کئے اور پلکیں مارتے رہے۔ لارڈ جان نے جلدی سے دخل دیا۔ تاکہ قصہ زیادہ طول نہ پکڑے اور کہنے لگے:-

"آپ پیدل چلنے کی رائے دیتے ہیں۔ لیکن اسکی ضرورت ہی کیا ہے؟"
"تو پھر کیا ریل سے چلنے کی تجویز ہے" چے لنجر نے کہا، جو ابھی تک جوش کھا رہے تھے۔
"موٹر کو کیا ہوا۔ اسمیں کیوں نہ چلیں؟"
"میں اس میں مشاق نہیں ہوں" چے لنجر نے داڑھی پر ہاتھ پھیر کے کہا "ساتھ ہی اسکے آپ یہ ٹھیک کہتے ہیں کہ ذہن انسانی کو اپنی اعلیٰ صورتوں میں اسقدر لچکدار ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو ہر چیز کے قابل بنا سکے۔ لارڈ صاحب! آپ کا یہ خیال نہایت ہی عمدہ ہے۔ میں خود ہی آپ لوگوں کو لندن لے چلونگا"
"آپ ہرگز ایسا قصد نہ کریں" سمرلی نے زور دیکر کہا
"نہیں جارج! نہ کرنا چاہیئے" ان کی اہلیہ بولیں "تم نے صرف ایکمرتبہ چلایا ہے اور اس مرتبہ ہی موٹر خانہ کے پھاٹک سے ٹکر کھائی تھی"
"وہ محض اسوقت عدم اجتماع ذہن کا نتیجہ تھا" چے لنجر نے ذرا مروت سے کہا "تم اس معاملہ کو طے شدہ سمجھو میں ہی سب کو لندن لیچلونگا"
لارڈ جان نے ذرا اسحالت کو بدلا۔ چنانچہ پوچھا "گاڑی کونسی ہے بیس اسپی ہمبر ہے"
"ارے ایسی گاڑی تو میں نے برسوں چلائی ہے" لارڈ جان نے کہا "خدا کی قسم" وہ تھوڑی دیر بعد کہنے لگے "مجھے یہ امید نہ تھی کہ کل بنی نوع انسان کو ایک کھیپ میں بے چلنے کیلئے زندہ رہوں گا۔ جہاں

تک مجھے یاد ہے، اسمیں پانچ ہی کی جگہ ہے۔ اپنی اپنی چیزیں سنبھالئے اور میں دس بجے موٹر لئے دروازہ پر موجود ہونگا"

فی الواقعہ ساعت بمعینہ پر موٹر پھٹپھٹاتی اور شور کرتی آموجود ہوئی لارڈ جان موٹر بان بنے ہوئے تھے۔ میں انکے برابر بیٹھ گیا، اور وہ خاتون پیچھے کی نشست پر اُن دونوں غصہ وروں کے درمیان چھوٹی سی تھاپی بنکر بیٹھیں۔ اسوقت لارڈ جان نے پہیوں پر سے ضابطہ (بریک) اٹھا دیئے۔ اپنا بیرم (لیور) پہلے نشان سے تیسرے نشان پر کر دیا اور پھر ہم اس عجیب و غریب سفر پر چلے جو ابتدائے آمدِ آدم سے ابتک کسی نے نہ کیا ہوگا۔

اب آپ دس اگست کے دن فطرت کی دلکشی کا، نسیم صبح کی تازگی کا، گرما کی دھوپ کی زردی کا، بے ابر مطلع کا، سمک کے جنگلوں کی سبزی کی شادابی کا، اور حسن پوش مرغزاروں کے گہرے ارغوانی رنگ کا، نقشہ اپنے ذہن میں کھینچئے۔ جہاں ایسے گوناگوں اور دلچسپ مناظر پر آپ کی نظر پڑی کہ آپ کے ذہن سے اس بلاءِ عظیم کا خیال تک محو ہوگیا۔ اگر کسر تھی تو یہی کہ ایک سنجیدہ اور ہمہ گیر خاموشی طاری تھی۔ ہر گنجان اور آباد دیہات میں زندگی کا ایک ہمہمہ ہوتا ہے، جو اسقدر گہرا اور مستقل ہوتا ہے کہ محسوس نہیں ہوتا جیسے سمندر کے قریب رہنے والا موجوں کے مستقل شور کا احساس کھو دیتا ہے۔ چڑیوں کا چوں، چوں کرنا۔ کیڑوں کا بھنبھنانا، آوازوں کا دور سے سنائی دینا

مویشیوں کا چلانا، دور سے کتوں کا بھونکنا، ریلوں کا چنگھاڑنا، چھکڑوں اور گاڑیوں کا کھڑکھڑانا۔ یہ سب ملکر ایک پست اور نہ رکنے والی آواز بجاتی ہیں جو کانوں کو محسوس بھی نہیں ہوتی۔ لیکن اب اسکی کمی محسوس ہوتی تھی۔ یہ موت کی سی خاموشی بہت ہی ہیبت ناک تھی۔ خاموشی اس قدر نمایاں۔ اسقدر مؤثر تھی کہ ہمیں اپنی موٹر کی آواز بھی سمع خراش معلوم ہوتی تھی۔ یعنی اس مقدس سکون و خاموشی میں جو آثار انسانی پر چھائی ہوئی تھی۔ یہ سمع خراشی گستاخی سے کم نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب ہم نے کہسار کے منظر زار پر نظر ڈالی تو اس ہولناک خاموشی اور کہیں کہیں دھوئیں کے بادلوں نے ہمارے دلوں کو سرد کر دیا۔

اس کے علاوہ مردے الگ تھے۔ سب سے پہلے تو وہ ختم ہونیوالے منہ چڑھاتے چہرے نظر آئے جنہوں نے ہمیں اپنی دہشت سے لرزا دیا۔ یہ نقشہ جو ذہن میں قایم ہوا تھا کچھ ایسا صاف اور تکلیف دہ ساتھا کہ اسٹیشن ہل پر سے اترنا، دایہ کا دو بچوں کو لئے گزرنا، گاڑی کے ڈنڈوں کے درمیان گھوڑے کا لٹکا ہونا، کوچوان کا اپنی جگہ پر اینٹھ جانا، اندر نوجوان کا گاڑی کے دروازے پر ہاتھ رکھے کودنے کی حالت میں ہونا سب مجھے یاد آگیا۔ اس سے اتر کر چھ کا شتکار تھے جو سب ایک ہی جگہ گرے تھے۔ ان کے اعضا ایک دوسرے پر پڑے ہوئے تھے۔ انکی مردہ اور بے جھپک آنکھیں آسمان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ یہ چیزیں اب مجھے ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا میں ایک تصویر دیکھ رہا ہوں۔ لیکن تھوڑی ہی دیر میں فطرت کی مہربانی سے کچھ

تنے، پٹھے ڈھیلے پڑ گئے، اس المناک افسانہ کی وسعت نے اس کی شخصی حیثیت دور کر دی۔ افراد اب گروہوں میں ضم نظر آئے، گروہ جماعتوں میں ضم ہو گئے اور جماعتیں ایک عالمگیر مظہر میں ضم ہو گئیں۔ ہر منظر کی یہی تفصیل نظر آئی اسلئے ان کو امور تقدیری سمجھ لیا، اور خاموشی اختیار کی۔ البتہ کہیں کہیں کوئی خاص طور پر وحشیانہ یا انوکھا نظارہ دکھائی دیتا تو دماغ پر ایک صدمہ گزرتا اور پھر شخصی اور انسانی حیثیت نمایاں ہو جاتی۔

سب سے بڑھکر بچوں کا انجام تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس پر ہم کو ناقابل برداشت ظلم کا زبردست احساس ہوا۔ جب ایک بڑی مدرسی سے گزری تو ہم نے ان ننھی ننھی سی جانوں کو سڑک پر بکھرے دیکھا۔ اسوقت ہم روہی دیتی تھے اور مسز چے لنجر تو روہی پڑیں۔ ان کے خوفزدہ استادوں نے ان کو چھٹی دیدی تھی۔ اور وہ بیچارے اپنے اپنے گھر جا رہے تھے کہ زہر نے انہیں آلیا۔ مکانوں کی کھلی کھڑکیوں پر بہت سی لوگ نظر آئے اور۔۔۔ ٹمبرج ولسز میں تو شاید ہی کوئی صورت ہو گی جو گھورتی اور مسکراتی نہ ہو۔ اخیر وقت ہوا کی ضرورت نے، یعنی آکسیجن جسے صرف ہمیں پورا کر سکے تھے۔ ان کو کھڑکیوں تک جانے پر مجبور کیا۔ بغلی روشوں پر عورتیں اور مرد نظر آئے۔ جو ننگے سر اور ننگے پیر گھر سے باہر نکل آئے تھے۔ بہت سی سڑک ہی پر گر گئے تھے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ لارڈ جان سامنے ہمارا موٹر بان تھا ورنہ ان لاشوں کو بچا کر چلانا بہت ہی مشکل تھا دیہاتوں اور قصبوں سے گزرتے وقت ہم کو بہت ہی آہستہ چلنا پڑا۔ اور

ایک مرتبہ مجھے یاد ہے کہ جب ٹامبرج کے اسکول کے مقابل پہنچے تو ہم کو رکنا ہی پڑا اور راستہ صاف کرنے کیلئے کچھ دیر تک لاشیں اِدھر اُدھر ہٹانا پڑیں۔

سسکس اور کنٹ کی شاہراہوں پر موت کے جو مناظر ہم کو دکھائی دیئے۔ انمیں چند چھوٹے چھوٹے ابتک میرے حافظے میں مرتسم ہیں۔ ایک تو یہ کہ ساؤتھ براؤ گاؤں کی سرائے کے دروازے پر ایک بڑی چمکدار موٹر کھڑی تھی۔ جہانتک میرا قیاس گیا مجھے وہ ایک تفریحی جماعت معلوم ہوئی جو برائٹن یا ریسٹسر سے واپس آرہی تھی اس میں تین خوش پوش عورتیں تھیں جو سب کی سب نوجوان اور خوبصورت تھیں۔ ایک کی گود میں ایک چینی کتا تھا۔ انکے ساتھ ایک اوباش صورت مسن آدمی اور ایک نوجوان امیرزادہ تھا۔ اسکی آنکھ میں ابھی تک چشم شیشہ لگا ہوا تھا۔ اسکے دستانہ پوش ہاتھ کی انگلیوں میں اسکا سگریٹ پورا تک جلگیا تھا۔ موت نے انہیں یکبارگی آلیا ہوگا۔ کیونکہ وہ جیسے بیٹھے تھے ویسے کے ویسے ہی جم گئے تھے۔ گاڑی کے ایک طرف سرائے کا ایک ملازم زینے کے پاس پڑا تھا۔ اور اس کے پاس ہی ٹوٹے گلاس اور ایک کشتی پڑی تھی۔ دوسری طرف دو گدڑی پوش، فقیر ایک مرد و عورت جہاں گرے تھے، وہیں پڑے تھے۔ مرد کا لمبا اور پتلا ہاتھ اب بھی اسی طرح پھیلا ہوا تھا جسطرح کہ وہ اپنی زندگی میں بھیک مانگنے کیلئے پھیلایا کرتا تھا۔ زمانہ کی ایک ہی گردش نے امیرزادہ، ملازم فقیر، اور کتے کو بے جان اور تحلیل ہونے والے ہیولی کی ایک ہی

سطح پر کر دیا ؎

بہ یک گردشِ چرخِ نیلوفری ٭ نہ نادر بجا ماند و نے نادری

سات بلوطوں کی لندن جانب چند میل پرے کی ایک اور انوکھی تصویر ذہن میں مرتسم ہے، بائیں جانب ایک بڑی خانقاہ ہے جس کے سامنے ایک لمبا اور سبز ڈھال ہے۔ اس ڈھال پر بہت سے مدرسے کے بچے حالتِ دعا میں جمع تھے۔ انکے آگے ایک قطار راہبات کی تھی۔ ڈھال کے ذرا اوپر اور ان سب کی طرف منہ کئے ایک ہی شکل نظر آئی جس کو ہم نے اُم کنیسہ سمجھا۔ موٹر والے تفریح جُوئیوں کے خلاف ان لوگوں کو اپنے خطرہ کی اطلاع غالباً ملگئی تھی اسی لئے معلم اور متعلم سب کے سب ایک آخری سبق کیلئے جمع ہوئے اور نہایت شان سے جان دی۔

اس مہیب تجربے کا اثر میرے دماغ پر اب تک باقی ہے۔ مجھے وہ الفاظ نہیں ملتے جن سے اپنی اس وقت کی کیفیت کا نقشہ کھینچ سکوں۔ غالباً بہتری اور دانائی اسی میں ہے کہ اسکی کوشش نہ کروں۔ بلکہ محض واقعات کا اظہار کردوں۔ سمرلی اور سے لنجر تک بھی انگشت بدنداں تھے چنانچہ اپنے ان ساتھیوں کی آواز تک ہم نے نہ سنی سوائے اس کے کہ وہ خاتون کبھی کبھی آہیں بھرتیں۔ لارڈ جان کو چونکہ موٹر چلانی تھی اور ایسی سڑکوں سے راستہ نکالنا تھا کہ انہیں گفتگو کا نہ تو وقت تھا اور نہ ان کی طبیعت مائل تھی۔ بس وہ ایک ہی فقرہ اس تھکا دینے والی کثرت سے دہراتے تھے۔ کہ وہ میرے خدا! فیطے میں جسم گیا اور بالآخر میں اسکو قیامت کی تنقید سمجھ کر

ہنس پڑا۔

"خوب کیا! کمال ہے!"

بس یہی انکا تکیہ کلام ہو گیا تھا، جہاں کہیں موت و مصیبت نے ایک نئی تصویر پیش کی کہ انکے منہ سے یہ فقرہ نکلا۔ جب ہم راتھر فیلڈ میں اسٹیشن ہل سے اترے تو اسوقت بھی "خوب کیا! کمال ہے!" سنا اور جب لے وی ستم کی شاہراہ اور قدیم کنٹ کی سڑک سے ہم اس صحرائے موت سے بچتے بچاتے نکل رہے تھے۔ تو اسوقت بھی "خوب کیا! کمال ہے" سننے میں آیا۔

یہاں تک پہنچ گئے، تو ہم کو ایک تحیر خیز صدمہ ہوا۔ ایک چھوٹے سے کونے والے مکان کی کھڑکی سے ایک رومال ایک لمبی پتلے انسانی ہاتھ میں ہلتا نظر آیا۔ غیر متوقع موت کے نظارہ نے ہماری دلوں میں ایسا اختلاج کبھی نہ پیدا کیا تھا جیسا کہ زندگی کی اس علامت کو دیکھکر ہوا، لارڈ جان کونے تک موٹر دوڑا لیگئے۔ اور ایک لمحہ کے اندر ہم لوگ مکان کے کھلے دروازہ میں گھس پڑے اور جلدی سے زینے پر چڑھکر اس دو منزلہ مکان پر پہنچ گئے۔ جس کے کمرے سے وہ رومال دکھائی دیا تھا۔

ایک بہت ہی مسن عورت کھلی کھڑکی کے پاس کرسی پر بیٹھی تھی۔ اور اسکے قریب دوسری کرسی پر آکسیجن کا ایک پیپہ رکھا تھا جو اگرچہ چھوٹا تھا لیکن تھا اسی شکل کا، جس نے ہماری جانیں بچائی تھیں جب ہم سب کے سب کمرے کے دروازے میں داخل ہوئے۔ تو اس

تو اس خاتون نے اپنا نحیف وزار اور عینک دار چہرہ ہماری طرف اٹھایا۔ اور کہنے لگیں :-

"میں تو سمجھی تھی کہ میں ہمیشہ کیلئے یہاں چھوٹ گئی کیونکہ میں بیمار ہوں اور ہل نہیں سکتی"

"ہاں میڈم" چیمبرلن نے جواب دیا "یہ واقعی قسمت کی بات تھی کہ ہم اتفاق سے ادھر سے گزر رہے تھے"

"میں آپ سے صرف ایک نہایت اہم سوال پوچھنا چاہتی ہوں" خاتون نے کہا "حضرات! میرے ساتھ نہایت صاف گوئی سے کام لیجئیگا بتلائیے! کہ ان واقعات کا لندن اور شمال مغربی ریلوے کے حصوں پر کیا اثر پڑیگا؟"

ہم ہنس پڑتے اگر ان کی نگاہوں سے جواب کا شدید انتظار نہ ظاہر ہوتا مسز رسٹن (یہ انکا نام تھا) ایک بڑھیا بیوہ تھیں جن کی ساری آمدنی اسی سرمایہ تک محدود تھی، منافعہ کے بڑھنے گھٹنے کے مطابق ان کی زندگی بسر ہوتی تھی۔ اور انکے ذہن میں زندگی کا بس یہی مفہوم تھا۔ کہ وہ حصوں کی قیمت سے متاثر ہوتی رہیں۔ ہم ان کو بے سود سمجھاتے رہے۔ کہ دنیا بھر کی دولت اب انکے لینے کیلئے موجود ہے لیکن ملنے پر بھی اب بیکار ہے، انکے پرانے دماغ میں کسی طرح یہ نیا خیال نہ سماتا تھا چنانچہ اپنے تلف شدہ سرمایہ پر وہ زور زور سے رونے لگیں۔ کہنے لگیں "یہی میری کل پونجی تھی۔ اگر یہ ڈوب گئی ہے، تو مجھ کو بھی ختم ہو جانا چاہئیے"

ان کے اس ماتم میں ہم کو اس امر کا پتہ لگا کہ جب ساری کائنات

جنگل تباہ و برباد ہوگیا تو یہ کمزور، پرانا درخت کیسے قایم رہ گیا۔ بات یہ تھی کہ وہ دائم المریض سی تھیں اور تنفس کا عارضہ تھا۔ اس کیلئے آکسیجن تجویز کیگئی تھی۔ اور جسوقت یہ بلا نازل ہوئی۔ آکسیجن کا ایک پیپہ انکے پاس موجود تھا، وہ حسب عادت جب ضیق النفس پاتیں۔ تو تھوڑا تھوڑا کرکے اس کی سانس لیتیں۔ اس سے ان کو آرام ملتا اور اسی طرح آکسیجن خرچ کرکر کے وہ رات پار کر گئیں بالآخر وہ سوگئیں اور پھر انہیں ہماری موٹر کے شور نے جگایا۔ چونکہ اپنے ساتھ ان کا لیجانا ممکن نہ تھا اور ضروریات کی جملہ چیزیں مہیا تھیں اسلئے ہم نے وعدہ کیا کہ بہت سے بہت دو دن کے اندر ان کی خبر لینگے۔ اس کے بعد ہم انکو اپنے تلف شدہ سرمایہ پر روتا چھوڑ کر چلے آئے،

جب ہم ٹیمز کے قریب پہنچے تو لاشیں بکثرت ملنے لگیں اور راستہ مسدود ہونے لگی۔ بڑی مشکلوں سے ہم لندن پل پار اتر سکے۔ مڈل سکس کیطرف سے اس تک جو راستے آتے تھے وہ اس سرے سے اس سرے تک منجمد ایتجار (ٹریفک) کی وجہ سے اسقدر مسدود تھی کہ اس طرف کا خیال ہی محال تھا پل کے قریب بندرگاہ پر ایک جہاز جل رہا تھا چنانچہ ہوا میں چنگاریوں کی کثرت تھی اور جلنے کی بو تمام فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایوانہائے پارلیمنٹ کے کے قریب ہی کہیں بہت گہرا دھواں بادل کیطرح اٹھ رہا تھا۔ لیکن جہاں ہم تھے، وہاں سے یہ پتہ لگانا بہت مشکل تھا کہ یہ آگ کہاں لگی ہے۔

جب لارڈ جان نے موٹر روکی۔ تو کہنے لگے "آپ لوگ معلوم نہیں کیا

سمجھتے ہیں مجھے تو شہر سے دیہات زیادہ پرلطف معلوم ہوتا ہے۔ مردہ لندن تو میری لئے روح فرسا ہو رہا ہے۔ میری رائے ہے کہ ایک چکر دیہات کا لگائیں اور پھر رائتھر فیلڈ چلے چلیں۔

"مجھے بھی اعتراف ہے، میری سمجھ میں نہیں آیا کہ ہم کو یہاں کیا امید ہو سکتی ہے" پروفیسر سمرلی نے کہا۔

"ساتھ ہی اس کے، چے لنجر نے اپنی بلند آواز میں کہا جو اس خاموشی میں عجیب سی معلوم ہوئی "کیا یہ خیال میں آنے کی بات ہے کہ ستر لاکھ آدمیوں میں سے صرف یہی ایک بڑھیا بچی ہو جو اپنی صحت کی خصوصیت کی وجہ سے یا محض بختِ اتفاق سے اس آفتِ عظمیٰ سے بچ نکلی ہو"

"اور اگر ہوں بھی تو ہم ان تک کیسے پہنچ سکتی ہیں؟" خاتون نے کہا

"اسپر بھی میں تم سے اتفاق کرتی ہوں کہ پتہ لگائے بغیر ہم کو واپس نہ جانا چاہئے" گاڑی سے اتر کر اور اسکو موڑ پر چھوڑ کر ہم بدقت تمام کنگ ولیم اسٹریٹ کی گنجان پختہ فرش پر چلے، ہیمہ کے ایک بڑے دفتر کا دروازہ کھلا نظر آیا اس میں ہم داخل ہوئے۔ یہ مکان کونے پر تھا اور ہم نے اسلئے منتخب کیا کہ یہاں سے چاروں طرف نظر جا سکتی تھی۔ زینے پر چڑھ کر میرا خیال ہے کہ ہم کھانے کے کمرے میں سے گزرے۔ کیونکہ اس کے وسط میں آٹھ مسن آدمی ایک میز کے گرد بیٹھے تھے۔ اوپر والی کھڑکی کھلی تھی اور ہم سب کے سب چھجے پر آ گئے۔

وہاں سے ہم کو شہر کی گنجان سڑکیں نظر آئیں جو ہر طرف جاتی تھیں

اور ہماری نیچے جو بے حرکت موٹریں کھڑی تھیں انکی سیاہ چھتوں کی وجہ سے ساری سڑک کالی دکھائی دیتی تھی۔ سب نہیں تو قریب قریب سب کا رخ باہر کی جانب تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ شہر کے خوفزدہ لوگ آخری وقت میں اس بیسود کوشش میں تھے کہ کسی طرح مضافات یا دیہات میں اپنے اپنے خاندانوں سے جا ملیں۔ کہیں کہیں ان کم درجہ گاڑیوں میں کسی رئیس کی بڑی پیتل چڑھی موٹر بھی نظر آجاتی تھی۔ جو اس مسدود ٹریفک کے دھارے میں پھنسکر رہ گئی تھی۔ بالکل ہماری نیچے ہی اسی طرح کی ایک بڑی اور نہایت خوبصورت موٹر تھی جس کا مالک ایک فربہ اور مسن شخص تھا جس کا چھوٹا اور موٹا ہاتھ، ہیروں سے چمکتا باہر نکلا ہوا تھا۔ اپنے موٹر بان پر یہ زور دے رہا تھا۔ کہ کسیطرح اس ریلے میں سے گاڑی نکال لیچلو،

کوئی درجن بھر موٹر بگھیاں اس سمندر میں جزیروں کیطرح نمایاں تھیں اور چھت پر جو مسافر تھے وہ اسطرح ایکدوسرے کی گودوں میں پڑے پڑے ہوئے تھے کہ گویا بچوں کی گڑیاں ہیں۔ ایک چوڑے لمپ کے ستون کے سہارے ایک ہٹا کٹا پولس کا جوان کچھ اس انداز سے کھڑا تھا کہ یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ زندہ ہے یا مردہ۔ اس کے پائیں ہی پھٹے کپڑے پہنے ایک اخبار بچہ پڑا تھا جسکا اخباروں کا پشتارہ اسکے پاس زمین پر گرا ہوا تھا۔ ایک اخبار گاڑی اس مجمع میں پھنس گئی تھی اور ہم کو زرد زمین پر سیاہ بڑے بڑے حرفوں میں یہ نظر آیا۔ "ایوانِ خاص میں مناقشہ" "میچ میں ہرج" یہ سب سے پہلی ہی اشاعت میں ہوگا۔ کیونکہ اس قصے کو بتلانیوالے دوسری

اشتہار بھی تھے جن کی سرخیاں یہ تھیں "کیا قیامت آپہنچی؟ بڑی بڑی سائنس دانوں کا انتباہ" "کیا چے لنجر حق بجانب ہیں؟ وحشتناک افواہیں"

چے لنجر نے یہ پچھلا تختہ اپنی اہلیہ کو دکھلایا۔ کیونکہ وہ اس اژدہام میں جھنڈے کیطرح نظر آتا تھا۔ جب انہوں نے اسپر نظر ڈالی تو میں نے دیکھا کہ انکا سینہ ابھر آیا۔ اور وہ اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ اس پیچیدہ نفس کیلئے یہ امر باعث مسرت و فخر تھا کہ لندن والوں نے اسکا نام لیتے ہوئے اور اس کے الفاظ ذہن میں رکھتے ہوئے جان دی۔ انکے یہ جذبات اسقدر نمایاں تھے کہ ان کے دوسرے ساتھی بالآخر بول ہی اٹھے۔

"آخر وقت تک مرجع عالم رہے"

"ہاں معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے" چے لنجر نے ذرا نرمی سے کہا۔ جب چاروں طرف جانیوالی خاموش اور لاشوں سے بھری سڑک پر انکی نظر پڑی تو کہنے لگے "لندن میں ہمارا زیادہ قیام مجھے ہرگز مفید مطلب نہیں معلوم ہوتا۔ میری تجویز ہے کہ ہم فوراً راتھر فیلڈ واپس چلیں اور پھر وہاں مشورہ کریں کہ ہم اپنی آیندہ کے عرصۂ زندگی کو کیونکر گزاریں"

اس مردہ شہر سے جو یادگاریں ہم اپنے حافظے میں محفوظ لے گئے ان میں سے صرف ایک اور تصویر پیش کرونگا۔ یہ سینٹ میری کے قدیم گرجا کے اندرونی کی ایک جھلک ہے۔ جہاں ہماری موٹر کھڑی تھی۔ یہ گرجا اسی کے پاس تھا۔ زینے پر پڑی ہوئی لاشوں سے بچتے بچاتے ہم کمانی دروازے تک پہنچے اور اسکو کھول کر اندر داخل ہوئے۔ یہ عجیب و غریب نظارہ دکھائی دیا۔ گرجا

کھچا کھچ بھرا ہؤا تھا۔ ہر شخص یا تو رکوع میں تھا یا سجود میں تھا غرضکہ ہر انداز
میں مصروف بدعا تھا۔ آخری ہولناک وقت پر جب لوگوں کو حقیقت
کا یکایک انکشاف ہؤا وہ زبردست حقیقتیں جو خود ہمارے سروں پر سوار ہیں
اگرچہ ہم صرف ڈھانچوں کی خبر لے رہے   تو لوگ خوفزدہ ہو کر شہر کے
ان قدیم گرجاؤں میں بھاگ رہے تھے۔ جن میں مدتوں سے شاید ہی
کوئی جماعت قایم ہوئی ہو۔ وہاں انکی یہ کیفیت تھی کہ جتنی جگہ ملی اسی
میں سب جمع ہوگئے۔ بعض تو گھبراہٹ میں ٹوپی اتارنا تک بھول گئے۔ منبر
پر ایک نوجوان شخص کھڑا کچھ تقریر کر رہا تھا کہ اس بلاء ناگہانی نے سب
کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا۔ وہ بیچارہ منبر پر اسطرح پڑا ہؤا تھا کہ اس کا سر
اور دونوں لوٹے ہاتھ منبر سے باہر نکلے ہوئے تھے۔ وہ خاک آلود گرجا، یہ ہراساں
شکلوں کی وہ قطاریں، وہ خاموشی اور تاریکی سب نے ملکر کابوس کی سی
کیفیت پیدا کر رکھی تھی۔ ہم کانوں کان باتیں کرتے پنجوں کے بل چل رہے
تھے۔

اور پھر یکایک مجھے ایک خیال پیدا ہؤا۔ گرجا کے ایک کونے میں دروازے
کے قریب حوضِ اصطباغ تھا اور اس کے پیچھے ایک عمیق گوشہ تھا۔
جس میں گھنٹی بجانیوالوں کیلئے رسیاں لٹک رہی تھیں۔ ہم پھر کیوں
نہ سارے لندن میں ایک پیغام بھیجیں کہ اگر کوئی زندہ ہو تو ہمارے
پاس چلا آئے۔ میں دوڑ کر گیا اور اس کنی پوش رسی کو کھینچا۔ تو نہ مجھے
تعجب ہؤا کہ اسکا بجانا کسقدر مشکل تھا۔ لارڈ جان میری مدد کو آئے کہنے لگے

"قسم خدا کی! میاں صاحبزادی، تمہارا خیال بہت ہی عمدہ ہے۔ ذرا مجھے پکڑنے دو، تو پھر ہم اسے ہلا لینگے"

لیکن اسپر بھی وہ گھنٹہ اتنا بھاری تھا کہ جب تک چے لنچ اور سمرلی نے آکر اپنی قوتوں سے مدد نہ کی اسوقت تک ہم کو اسکی بجنے کی آواز نہ سنائی دی دور دور تک ساری مردہ لندن میں ہمارا یہ پیغام ہمدردی پہنچا۔ اور جو بیچارہ بچ رہا ہوگا۔ اس کیلئے تو پیام حیات ہوگا۔ ہماری دلوں میں خود اس زبردست ناقوسی آواز سے مسرت پیدا ہوئی اور پھر ہم نہایت جوش سے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئے اگرچہ رسی کے اوپر کی طرف ہر جھٹکے پر ہم دو فٹ اٹھ جاتے تھے تاہم سب کے سب اس کو نیچے کھینچنے میں مصروف رہتے۔ چے لنچ جو سب سے نیچے تھے وہ اپنی پوری طاقت اسمیں صرف کر رہے تھے اور انکا نیچے اوپر ہونا ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ گویا کوئی زبردست غوک ہے جو ہر پل پر ٹرٹرا رہا ہے اسوقت اگر کوئی نقاش ہوتا۔ تو وہ ہم چاروں قسمت آزماؤں کی تصویر اتارتا جو زمانۂ ماضی میں بھی متعدد عجیب و غریب خطرات میں ایک ساتھ رہے تھے اور جنکو قضا و قدر نے ایسے عظیم الشان تجربے کیلئے ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ آدھ گھنٹے تک ہم زور لگاتے رہے پسینہ ہمارے چہروں سے ٹپکنے لگا۔ ہمارے ہاتھ اور پٹھے شدت محنت سے درد کرنے لگے پھر ہم گرجا کی برساتی میں گئے اور بہت ہی شوق سے خاموش اور گنجان سڑکوں کو دیکھنے لگے۔ لیکن کہیں سے نہ کوئی آواز اور نہ کوئی حرکت ہماری پکار کے جواب میں محسوس ہوئی۔

"کیا فائدہ! کوئی نہیں بچا" میں نے کہا

"ہم اس سے زیادہ کیا کر سکتے ہیں" مسز چے لنجر نے کہا "خدا کیواسطے، جارج! اب راتھر فیلڈ واپس چلو اس ہولناک اور خاموش شہر میں ایک گھنٹہ اور گزرا تو ہم سب پاگل ہو جائینگے"

اس کے بعد ایک لفظ کہے بغیر ہم موٹر میں سوار ہو گئے۔ لارڈ جان نے اسکو گھمایا اور جنوب کی طرف رخ کیا۔ ہم یہ سمجھتے تھے کہ قصہ یہیں ختم ہو گیا۔ ہمیں کیا خبر تھی، کہ ایک نیا باب اور کھلنے والا ہے +

چھٹا باب

نشاۃ ثانیہ

اب میں اس غیر معمولی واقعہ کے انجام پر آتا ہوں جسکی اہمیت نہ صرف ہماری چند انفرادی زندگیوں تک ہے بلکہ کل نسلِ انسانی کی عام تاریخ میں زبردست ہے داستان شروع کرتے وقت میں نے کہا تھا کہ جب تاریخ لکھی جائیگی تو یہ واقعہ دیگر جملہ واقعات میں وہی حیثیت رکھیگا جو پہاڑ کی چوٹی کو دامن سے ہوتی ہے ہماری نسل کی قسمت میں ایک مخصوص انجام مقدر تھا کیونکہ اسی نے یہ عجیب و غریب تجربہ اٹھایا۔ اسکا اثر کبتک رہے یا بنی نوع انسان میں یہ انکسار اور یہ احترام جسکا سبق ہمیں اس زبردست صدمے سے ملا ہے۔ کب تک رہیگا۔ صرف مستقبل ہی بتلا سکتا ہے۔ میرے خیال میں اتنا تو میں ضرور بیخوف ہو کر کہہ سکتا ہوں کہ پہلی سی حالت تو اب کبھی نہ ہو گی۔ اب کسی کو اسکا اندازہ مشکل سے ہو گا کہ

اسکی بے بسی اور جہالت کہاں تک ہی اور نہ اسکا اندازہ ہوگا کہ کسطرح ایک ان دیکھا ہاتھ سب کو پکڑے ہوئے تھا اور کسطرح ایک لمحہ کیلئے اس مٹھی نے بند ہوکر ہم کو پیس ڈالا۔ موت ہم پر برابر سوار رہی ہی۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ ہم پر اتر سکتی ہی۔ وہ مہیب شکل ہماری زندگیوں پر سایہ کئے ہوئے ہی لیکن اس سے کس کو انکار ہوسکتا ہی کہ اس سایہ میں فرض کا احساس، ذمہ داری اور متانت کا خیال، زندگی کے مقاصد اور وقار کا اندازہ، نشو ونما اور ترقی کی زبردست تمنا ہم میں پیدا ہو گئی ہے اور اس حد تک پہنچ گئی ہی، کہ ہماری سوسائٹی ایک درجہ بلند ہوگئی ہے۔ یہ بات فرقوں اور عقیدوں سے ماوراء ہی۔ بلکہ یہ درحقیقت نقطۂ نظر کا بدلنا ہی۔ ہمارے حس تناسب کی تبدیلی ہی، اس امر کا پورا پورا اندازہ ہی کہ ہم ناچیز ہیں اور فانی مخلوق ہیں۔ جن کی زندگی تا متر عالم غیب کی پہلی سرد ہوا کے رحم وکرم پر موقوف ہی لیکن اگر دنیا اپنے اس علم سے متین تر ہوگئی ہی، تو تو اسکے یہ معنی نہیں کہ وہ اسوجہ سے غمگین تر بھی ہوگئی ہی بلاشک ہم سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حال کی متین اور سنجیدہ خوشیاں اس پرشور وغل اور بیہودہ ہنگامہ سے بہتر اور سنجیدہ تر ہیں۔ جن کو قدیم ایام میں تفریح سے موسوم کرتے تھے۔ وہ ایام جو ابھی ابھی گزری اور اسپر بھی ابھی سے دور از فکر ہونے لگی، وہ بے مقصد زندگیاں جو بیکار ملنے ملانے میں، بڑے اور بیضرورت مکانوں کی چپقلش میں اور بہت ہی پرتکلف اور پرتکلیف کھانوں کی ترتیب دینے اور کھانے میں مصروف رہا کرتی تھیں، اب انکو اس مطالعہ، اس موسیقی، اس خاندانی تعلق سے سکون اور توانائی حاصل ہوئی ہی جو اسوقت کی سادہ تر اور صحیح تر تقسیم

سے پیدا ہوتے ہیں، صحت بہتر ہونے اور لذت زیادہ پانے کی وجہ سے وہ اب پہلے سے زیادہ دولتمند ہیں حتیٰ کہ اس مشترکہ فنڈ میں، جسنے ان جزائر میں -- معیارِ حیات اتنا بلند کر رکھا تھا - اپنے حصے سے زائد حصے لینے کے بعد بھی وہ زیادہ دولتمند ہیں -

اس نشاۃ یا بیداری کی صحیح ساعت کے متعلق اختلاف رائے ہے یہ تسلیم کرلیا گیا ہے کہ گھڑیوں کے فرق سے قطع نظر کرکے، ممکن ہے کہ زہر کے عمل پر مقامی اسباب نے اثر پیدا کیا ہو - اس میں شک نہیں کہ ہر ہر ضلع میں رجعت بیک وقت ہوتی معلوم ہوتی تھی - اس امر کے بہت سے شاہد ہیں کہ اس وقت بگ بن[1] میں چھ بجنے میں دس منٹ کم تھے - شاہی منجم نے گرین وچ کا وقت ساڑھے بارہ قرار دیا ہے - برخلاف اسکے لیرڈ جان سن جو ایسٹ اینگ لیا کے نہایت ہوشیار راصد ہیں انہوں نے وقت چھ بیس قرار دیا ہے - جزائر ہبرائڈس میں تو سات تک بج گئے تھے - ہماری لئے اس امر میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ میں چے لنجر کے مطالعہ خانہ میں بیٹھا تھا اور ان کا آزمودہ وقت پیما میرے سامنے اسوقت رکھا تھا، اس میں سوا چھ بجے تھے -

میری طبیعت پر زبردست پژمردگی طاری تھی - جو جو ہیتناک نظارے نظر سے گزرے تھے، ان سب نے میری طبیعت پر ایک بوجھ سا پیدا کر رکھا تھا میری صحت چونکہ بہت عمدہ تھی اور جسمانی طاقت بھی بہت تھی - اسلئے میری لئے دماغی تکدر ایک اعجوبہ تھا مجھ میں یہ آئرستانی خاصیت تھی کہ مجھے ہر تاریکی میں

[1] لندن کا ایک گھنٹہ گھر

روشنی کی جھلک نظر آتی تھی۔ لیکن اسوقت کی تاریکی بہت مہیب اور مسلسل تھی۔ اور سب تو نیچے بیٹھے مستقبل کے منصوبے باندھ رہے تھے۔ لیکن میں کھلی کھڑکی کے پاس بیٹھا تھا۔ میری ٹھڈی میرے ہاتھ پر تھی۔ اور میں حالتِ موجودہ کی تباہی پر غور کر رہا تھا۔ کیا ہم زندہ بھی رہینگے؟ یہ سوال میرے دل میں پیدا ہونے لگا تھا۔ کیا ایک مردہ دنیا میں زندہ رہنا ممکن ہے جسطرح طبیعیات میں ایک بڑا جسم اپنے سے چھوٹے جسم کو اپنی طرف کھینچتا ہے اسیطرح کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ بنی نوع انسان کی جو کثیر التعداد پردۂ غیب میں چلی گئی ہے وہ ہم کو اپنی طرف کھینچ لے؟ اچھا تو پھر انجام کسطرح پر ہوگا کیا سمیت کے دوبارہ پھیل جانے سے! یا یہ صورت ہوگی کہ اس عالمگیر فساد کی وجہ سے زمین رہنے کے قابل نہ رہیگی؟ یا یوں صورت ہوگی کہ ہماری یہ ہولناک حالت ہم پر چھا جائیگی اور ہمارے ذہنوں کو متزلزل کر دیگی؟ پھر گویا ایک مردہ دنیا پر پاگلوں کی بستی ہو جائیگی!

میں اس ہولناک خیال پر غور ہی کر رہا تھا کہ ذرا سا شور ہوا جس سے میں نے نیچے سڑک پر نگاہ ڈالی۔ وہ پرانی گھوڑا گاڑی اب پہاڑی پر آ رہی تھی۔

اسی وقت مجھے چڑیوں کے چہچہانے کا اور نیچے صحن میں کسی کے کھانسنے کا احساس ہوا اور پھر ساری منظر زار میں حرکت سی نمودار ہونے لگی اسپر بھی مجھے یاد ہے کہ میری نظر اس شکستہ حال اور نحیف و زار گاڑی والے گھوڑے پر جمی ہوئی تھی وہ آہستہ آہستہ بدقت ڈھال پر چڑھ رہا تھا۔

پھر میں نے کوچوان کو دیکھا جو کوچ بکس پر ٹانگیں سمیٹے بیٹھا تھا اور بالآخر اس نوجوان کو دیکھا جو گاڑی سے سر باہر نکالے کوچوان کو کچھ ہدایت دے رہا تھا۔ وہ سب بلاشک و شبہ اور نہایت محسوس طریقہ پر زندہ معلوم ہوتے تھے ایک مرتبہ پھر ہر شخص زندہ ہو گیا تو کیا جو کچھ گزرا وہ سب دھوکا ہی تھا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ یہ حلقۂ مسموم والا قصہ محض خواب و خیال ہی ہو؟ لمحہ بھر کیلئے تو میرے ششدر دماغ نے اسکو قبول ہی کر لیا۔ پھر میں نے نیچے کی طرف دیکھا تو میرے ہاتھ پر جہاں شہر والے گھنٹے کی رسی نے نشان ڈالے تھے۔ وہاں آبلے اٹھ رہے تھے، پس معلوم ہوا کہ یہ ایک حقیقت تھی، اسپر طرہ یہ کہ دنیا اب دوبارہ زندہ ہو گئی، گویا اس سیارے پر زندگی پھر ایک لمحے کے اندر سب جگہ پھیل گئی۔ چنانچہ میں نے ہر چہار طرف نظر دوڑائی تو ہر سمت میں مجھے یہ کیفیت نظر آئی کہ دنیا پھر اسی جگہ سے شروع ہو رہی ہے جہاں کہ ختم ہوئی تھی۔ گالف باز وہیں کے وہیں موجود تھے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی کھیل میں مصروف رہے ہوں؟ ہاں واقعی ایک درخت کے نیچے گیند لئے جا رہا تھا اور اس سبزہ زار پر جو ٹولی تھی وہ کچی کیطرف جا رہی تھی۔ کھیت کاٹنے والے اپنے اپنے کام پر آ رہے تھے۔ دایہ نے ایک بچہ گود میں لیا اور پھر گاڑی چلانے لگی۔ ہر شخص نے از خود اسی مقام سے اپنا کام شروع کر دیا۔ جہاں کہ اسے چھوڑا تھا۔

میں دوڑ کر نیچے گیا۔ ہال کا دروازہ کھلا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی آوازیں سنیں۔ صحن میں مبارکباد اور تعجب کی آوازیں اٹھ رہی تھیں

ہم سب نے ہاتھ ملائے اور خوب ہنسی۔ اور مسز چیلنجر نے ماری خوشی کے ہم سب کا بوسہ لیا، اور بالآخر اپنے بالوں والے شوہر سے جا لپٹیں۔ لارڈ جان کہنے لگے۔

"یہ سب کے سب سوتے ہوئے تو ہونگے، چیلنجر صاحب آپ مجھے یہ باور کرانا تو نہیں چاہتے کہ یہ لوگ سو رہے تھے، درانحالیکہ ان کی آنکھیں خوب کھلی ہوئی تھیں۔ ان کے اعضا بےحرکت ہو گئے تھے اور وہ مہیب مردنی انکے چہروں پر چھائی ہوئی تھی"

"تو یہ صرف وہ حالت ہو سکتی ہے جسکو "داء السبات" کہتے ہیں" چیلنجر نے کہا "زمانہ ماضی میں بھی یہ مظہر بہت کم مشاہدہ میں آیا، لوگ اکثر و بیشتر اسکو موت ہی سمجھتے رہے ہیں۔ جب تک یہ کیفیت رہتی ہے حرارتِ غریزی کم ہو جاتی ہے، تنفس بند ہو جاتا ہے، قلب کی حرکت بالکل رک سی جاتی ہے اور فی الواقع یہ موت ہوتی ہے مگر تھوڑی ہی دیر کیلئے، زیرک سے زیرک دماغ بھی" یہاں انہوں نے آنکھیں بند کرلیں اور تبسم کناں ہوئے "اس طریقہ پر اس کے ایسے عالمگیر حملہ کو مشکل سے قیاس کر سکتا تھا"

"آپ اسے چاہیں تو داء السبات کا نام دیدیں" سمرلی نے کہا "لیکن یہ محض نام ہی نام ہے اور اصل حقیقت سے ہم اتنا ہی ناواقف ہیں جتنا اس زہر سے جس نے یہ حالت پیدا کی۔ زیادہ سے زیادہ جو ہم کہہ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسموم اثیر نے عارضی موت پیدا کر دی"

آسٹن گاڑی کے پائیدان پر گٹھری بنا پڑا تھا۔ اسکی ہی کھانسی تھی جو

میں نے اوپر کی سنی تھی وہ ابتک سر ڈالے خاموش تھا۔ لیکن اب وہ گاڑی کو دیکھ دیکھ کر بڑبڑا رہا تھا۔ کہنے لگا

"واہ بے گھا مڑ! چیزوں کو بغیر چھوئے نہیں رہا جاتا"

"کیا بات ہے؟ آسٹن!"

"حضور! تیلدان یوں ہی کھلے چھوڑ دیئے۔ کوئی نہ کوئی اس موٹر سے کھیلتا رہا ہے۔ میری خیال میں اس نالی کے بچہ نے گڑبڑ کی ہوگی"

لارڈ جان اب ذرا گھبرائے سے

"نہ جانے مجھے کیا ہوگیا ہے" آسٹن لڑکھڑا کر اٹھا تو کہنے لگا "مجھے خیال ہے کہ جب صاف کر رہا تھا تو کوئی عجیب بات پیدا ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ میں پائیدان کے پاس ہی لڑھک گیا تھا۔ لیکن مجھ سے قسم لیجئے جو میں نے تیلدانوں کی ٹونٹیاں کھلی رکھی ہوں"

مختصر طور سے بیچاری ششدر و حیران آسٹن سے وہ داستان دہرائی گئی ... کہ وہ خود اور ساری دنیا کیسے مبتلا ہوئی تھی۔ کھلے تیلدانوں کا راز بھی اس پر آشکارا کیا۔ اس نے بڑے تعجب سے سنا کہ ایک غیر پیشہ ور نے اسکی موٹر چلائی تھی۔ اور جب ہم نے سوتے شہر کا قصہ سنایا تو وہ ہمہ تن گوش بنگیا تھا۔ جب داستان ختم ہوچکی تو اسکا یہ کہنا مجھے یاد ہے :-

"کیا آپ بینک آف انگلینڈ کے باہر تھے؟"

"ہاں، آسٹن!"

"لاکھوں روپیہ اندر موجود اور سب سوتے ہوئے؟"

"ہاں ایسا ہی پایا"

"کاش میں وہاں ہوتا" اس نے نہایت یاس آمیز لہجہ میں کہا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہوگیا۔

سڑک پر پہیوں کی گڑگڑاہٹ دفعتہً سنائی دی، وہ شکستہ حال گاڑی واقعی چے لنجر کے دروازے پر آ ٹھہری، میں نے نوجوان مسافر کو اترتے دیکھا۔ تھوڑی دیر بعد ماما جس کے چہرے پر کچھ ایسی پریشانی اور حیرانی تھی کہ گویا کسی نے اسکو ابھی ابھی گہری نیند سے اٹھایا ہے۔ کشتی میں ایک کارڈ رکھی نمودار ہوئی۔ چے لنجر نے جب اسے دیکھا تو بہت چیں بجبیں ہوئے اور اتنا انہیں غصہ آیا، کہ انکی موٹے اور کالے کالے بال کھڑے ہوگئے۔ زور سے بولے:۔

"نامہ نگار" پھر کچھ سوچ کے مسکرائے "ہاں! واقعی یہ قدرتی بات ہے کہ ساری دنیا کو اس کے دریافت کرنیکی عجلت ہو، کہ اس سانحہ کے متعلق میرا کیا خیال ہے"

"اسکا یہ کام تو ہو ہی نہیں سکتا" سمرلی نے کہا "وہ تو بلا کے نازل ہونے سے نہ جانے کتنا پہلے موجود تھا"

میں نے کارڈ دیکھا "جیمز بیکس ٹر، لندنی نامہ نگار نیویارک مانیئر"

"آپ ان سے ملئے" میں نے کہا

"میں تو نہیں ملتا"

"ارے جارج! کبھی تو دوسروں کے ساتھ مہربانی اور عنایت سے پیش آجایا کرو، جو بیتا ہم پر گزری اس سے کچھ تو سبق تم نے لیا ہوگا"

انہوں نے بہت کراہت ظاہر کی، اور اپنا بڑا اور ضدی سر ہلاتے رہے۔

"یہ بڑی زہریلی نسل ہے! ہاں، مے یون، موجودہ تمدن کی بدترین پیداوار ہے۔ عامیوں کے ہاتھ میں موم ہے، اور خود دا لوگوں کیلئے رکاوٹ! ان لوگوں نے میری بابت کبھی کوئی اچھا لفظ استعمال کیا ہے؟"

آپ نے انکی نسبت کب کوئی اچھا لفظ استعمال کیا؟" میں نے جواب دیا "آئیے، آئیے جناب! یہ ایک اجنبی ہیں جو آپ سے ملنے کیلئے اتنا سفر کر کے آئے ہیں مجھے یقین ہے کہ آپ اُنکے ساتھ کج خلقی نہ برتیں گے"

"اچھا! اچھا" انہوں نے کہا "آپ بھی میرے ساتھ آئیے، اور گفتگو آپ ہی کیجئے۔ میں ابھی سے اپنی خلوت میں اس مداخلت بیجا کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں" کچھ بڑبڑاتے، غراتے وہ میرے پیچھے پیچھے ایک غضبناک تازی کیطرح لڑھکتے آئے۔

اِن حسیت اور نوجوان امریکن نے اپنی بیاض نکالی اور فوراً اپنے مطلب پہ یوں آئے۔

"میں جناب اسلئے حاضر ہوا ہوں، کہ اہالیانِ امریکہ اس خطرے کی بابت کچھ نہ کچھ سننے کے بہت مشتاق ہیں جو آپ کی رائے میں دنیا پر طاری ہوا چاہتا ہے۔"

"میں ایسا کوئی خطرہ نہیں جانتا جو دنیا پر طاری ہوا چاہتا ہو" چیلنجر نے ذرا خشونت سے جواب دیا۔

نامہ نگار نے اب ذرا حیران ہو کر اُن پر نگاہ ڈالی

"جناب! میرا مطلب یہ ہے کہ دنیا کے اثیر کے سوم حلقہ میں داخل ہونے کے کیا کیا امکانات ہیں۔

"مجھے اب کسی ایسے خطرے کا امکان نہیں معلوم ہوتا" چے لنجر نے کہا اب تو نامہ نگار اور بھی حیران ہوا، چنانچہ اس نے پوچھا

"آپ ہی تو پروفیسر چے لنجر صاحب ہیں! کیوں جناب؟"

"جی ہاں! یہ میرا ہی نام ہے"

"تو پھر سری سمجھ میں نہیں آتا، کہ آپ کیسی کہتے ہیں۔ کہ اب کوئی خطرہ نہیں رہا۔ میں آپ کے اس خط کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ جو آج صبح ٹائمز میں آپ کے دستخط سے شائع ہوا ہے"

اب چے لنجر کی باری حیران ہونے کی تھی۔ کہنے لگی:۔

"آج صبح؟ آج صبح لندن ٹائمز کا کوئی پرچہ شائع نہیں ہوا"

"نہیں جناب!" امریکن نے بطور احتجاج کہا "آپ اس کو تسلیم کرینگے کہ لندن ٹائمز ایک روزانہ پرچہ ہے" اب انہوں نے اپنی اندر کی جیب سے ایک پرچہ نکالا "یہ لیجئے یہ آپ کا خط ہے جسکی طرف میں اشارہ کر رہا تھا"

چے لنجر کچھ رک رک کے ہنسی اور ہاتھ ملنے لگی۔ اور یوں گویا ہوئے

"اب میں سمجھا۔ ہاں تو یہ خط آپ نے آج صبح پڑھا"

"جی ہاں"

"اور فوراً مجھ سے ملنے تشریف لائے"

"جی ہاں"

"تو کیا آپ نے اپنے سفر میں کوئی غیر معمولی بات مشاہدہ کی؟"

"سچ پوچھئے تو آپ کے لوگ مجھے ہمیشہ سے زیادہ مہربان اور زندہ دل نظر آئے"

قلی نے ایک عجیب و غریب قصہ سنانا شروع کیا اور یہ مجھے اپنی قسم کا پہلا تجربہ اس ملک میں ہوا"

"اس کے علاوہ کچھ اور؟"

"مجھے اور تو کوئی بات یاد آتی نہیں جناب"

"اچھا تو آپ وکٹوریا سے کس وقت چلے تھے؟"

امریکن اب مسکرایا۔

"جناب پروفیسر صاحب! میں یہاں آپ سے نیاز حاصل کرنے حاضر ہوا تھا۔ لیکن اب تو وہی حالت ہے کہ 'ماہی گیر مچھلی پکڑ رہا ہے' یا 'مچھلی ماہی گیر کو پکڑے ہوئے ہے'، میں دیکھتا ہوں کہ بیشتر گفتگو تو آپ ہی کر رہے ہیں"

"آپ مجھے دلچسپ معلوم ہوتے ہیں۔ اچھا بتائیے آپ کو وقت یاد ہے؟"

"یقیناً ساڑھے بارہ بجے تھے"

"اور آپ پہنچے کب؟"

"کوئی سوا دو بجے"

"آپ نے گاڑی کرایہ کی؟"

"جی ہاں"

"اسٹیشن سے یہاں تک آپ کتنا فاصلہ سمجھتے ہیں؟"

"میری دانست میں تو دو میل سے کچھ ہی کم ہوگا"

"تو آپ کو آنے میں کتنی دیر لگی؟"

"اس دمے والے کوچوان نے کوئی آدھ گھنٹہ لیا ہوگا"

"تو اب تین بجنے چاہیئے؟"

"ہاں کچھ اوپر تین"

"ذرا گھڑی تو دیکھیئے"

امریکن نے گھڑی دیکھی تو محوِ حیرت ہو گئے ہمیں تکنے لگے۔

"ارے- یہ تو کچھ بگڑ گئی- اُس گھوڑے نے تو سب کو مات کر دیا- اب میں خیال کرتا ہوں تو سورج کو بہت نیچا پاتا ہوں- ایں! یہ تو کچھ ایسی بات ہے- جو میری سمجھ میں نہیں آتی"

"پہاڑی پر آتے وقت آپ کو کوئی عجیب و غریب بات یاد نہیں آتی؟"

"اب آپ کہتے ہیں تو مجھے یاد آیا، کہ ایک مرتبہ مجھ پر نیند کا بہت غلبہ تھا، ہاں اب یاد آیا، کہ میں کوچوان سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اپنی اس بات کو نہ سنا سکا میرا خیال ہے کہ گرمی اسکا سبب تھی- لیکن ہاں تھوڑی دیر کیلئے مجھ پر غشی طاری ہوئی تھی- اور بس"

"اور یہی ساری نسلِ انسانی کے ساتھ ہوا" چیلنجر نے مجھ سے کہا "ساری نسل نے ایک لمحہ کیلئے غشی محسوس کی- لیکن ابھی کسی کو احساس نہیں کہ ہوا کیا تھا ہر ایک اپنے منقطع کام میں ویسے ہی مشغول ہو جائیگا، جیسے آسٹن موٹر کی صفائی میں لگ گیا- یا گالف باز کھیل میں مصروف ہو گئے- مے نون!

تمہاری ایڈیٹر پرچہ اسیطرح نکالتی رہینگی لیکن ایک نمبر غائب ہونے پر انہیں تعجب ضرور ہوگا۔

ہاں! مہربانِ من!" اب امریکن سے خطاب کر کے کہا "آپکو یہ سنکر شاید دلچسپی ہو کہ دُنیا اس مسموم لہر سے صحیح وسلامت نکل آئی جو خلیجی دھاری کیطرح ایتھر کے سمندر میں چکر لگاتی ہے، اپنی آئندہ سہولت کیلئے یہ بھی براہِ کرم اپنی بیاض میں درج کر لیجئے کہ آج کا دن جمعہ ستائیس اگست نہیں ہے بلکہ ہفتہ اٹھائیس اگست ہے، نیز یہ کہ راتھر فیلڈ پہاڑی پر آتے وقت اٹھائیس گھنٹے تک آپ بیہوش پڑے رہے "

اور بس یہیں "جیسا کہ میرے امریکن ہم پیشوں کا قاعدہ ہے، میں بھی اس داستان کو ختم کرتا ہوں، یہ اس بیان کی تفصیل اور تکمیل ہے جو ڈیلی گزٹ میں دوشنبہ کے روز شائع ہوا تھا، یہ بیان اب سب تسلیم کرتے ہیں کہ اپنے وقت کا سب سے بڑا صحافی کارنامہ ہے چنانچہ اس بیان کی وجہ سے کوئی پینتیس لاکھ سے کم تو پرچے نہ فروخت ہوئے ہونگے۔

میرے خلوتخانہ میں ابتک جو کھٹے میں چڑھی وہ زبردست سرخیاں موجود ہیں:۔

"اٹھائیس گھنٹے تک دنیا سکتہ میں۔ عدیم المثال تجربہ۔ چیلنجر حق بجانب۔ ہمارا نامہ نگار بچ جاتا ہے۔ نہایت دلچسپ داستان۔ آکسیجن کا کمرہ۔ موٹر کی سواری۔ مردہ لندن۔ گمشدہ صفحہ کی تلافی۔ زبردست آتشزدگی اور نقصانِ جان۔ کیا ایسا پھر ہوگا؟"

ان سرخیوں کے نیچے کوئی ساڑھے نو کالموں میں پوری داستان تھی جسمیں اس سیارے کی تاریخ کا پہلا، آخری اور اکیلا بیان تھا جہانتک کہ کوئی لکھنے والا اسکی زندگی کا ایکدن بھر میں سپردِ قلم کرسکتا تھا۔ چیلنجر اور سمرلی دونوں نے اسباب میں ایک علمی مقالہ شائع کیا لیکن عام فہم زبان میں شائع کرنا میرے ہی حصے میں آیا۔ اب اسکے بعد کسی صحافی کی زندگی میں اور کیا چاہیے لیکن مجھ کو محض سنسنی خیز سرخیوں اور ذاتی کامیابیوں پر ہی اس قصہ کو ختم نہ کرنا چاہیئے۔ ہاں

اسکی بجائے میں سب سے بڑے روزنامہ اخبار کا ایک اقتباس درج کرونگا۔ جو اسکی اس مضمون سے متعلق زبردست افتتاحیہ سے لیا گیا ہے۔ یہ افتتاحیہ ایسا ہے کہ ہر صاحبِ فکر شخص کے زیرِ مطالعہ رہنا چاہیئے۔ ٹائمز نے یوں گہر افشانی کی تھی :-

"یہ ایک بار بار آزمودہ کار مقولہ ہے کہ ہماری نسلِ انسانی ہماری گرد و پیش تہا مخفی قوتوں کے مقابلے میں بہت ہی کمزور ہے۔ قدیم زمانے کے پیغمبر اور موجودہ زمانے کے فلسفی سب کے سب یہی پیام اور نصیحت ہم تک پہنچاتے رہے ہیں لیکن اکثر پامال صداقتوں کی طرح اس حقیقت کی بھی اصلیت اور مضبوطی دلوں سے محو ہو چلی تھی۔ اس سبق کو یاد دلانے کیلئے ایک اصلی تجربہ کی ضرورت تھی۔ اس سبق آموز اور زبردست آزمائش سے ہم ابھی ابھی نکلے ہیں۔ ہمارے دماغ بھی ابھی تک اسکی ناگہانیت سے مبہوت ہیں اور اپنی بے بسی و بیچارگی کے احساس سے ہمارے حواس کسیقدر درست ہو گئے ہیں۔ دنیا نے اس سبق کیلئے بڑی خوفناک قیمت ادا کی ہے۔ ابھی تک اس مصیبت کی پوری داستان سننے میں نہیں آئی لیکن ٹیو یارک آر ایم ایس، اور برائی ٹن کا ندرِ آتش ہو جانا بجائے خود ہماری نسل کی تاریخ میں سب سے بڑا سانحہ ہو شمار ہے جب ریلوں اور جہازوں کے حادثات کی روئداد مکمل ہو گی اسوقت پورا پتہ چلیگا۔ اگرچہ اس امر کی شہادت موجود ہے کہ اکثر صورتوں میں ریلوں کے چلانیوالے اور جہازوں کے انجینئروں نے زہر سے متاثر ہونے سے پہلے اپنے انجنوں کی حرکت بند کر دی تھی۔ اگرچہ مادی نقصان جان و مال دونوں کا بہت ہوا ہے تاہم آج ہمارے دماغوں میں اتنا اہم نہیں ہے یہ سب کچھ زمانہ بھلا دیگا لیکن جو چیز کبھی نہ بھولیگی اور جو ہمیشہ ہماری تخیل کو متاثر کرتی رہیگی وہ یہ انکشاف ہے کہ کائنات میں کیا کیا ممکن ہے؟ وہ ہمارے جاہلانہ غرور و تکبر کی بربادی ہے اور اس امر کا اظہار ہے کہ ہماری زندگی کا راستہ کسقدر تنگ ہے، اور اسکے ہر دو جانب نہ جانے کیسے کیسے عمیق غار موجود ہیں۔ آج ہمارے تمام جذبات و احساسات کی بنیاد متانت اور انکسار ہے۔ خدا کرے یہ بنیادیں ایسی ہوں کہ ایک زیادہ پرجوش اور زیادہ باادب قوم آئے اور ان پر ایک بہتر عبادتگاہ قائم کرے۔" آمین۔

تمت بالخیر